37

اسلام کے معارف

(چند بصیرت افروز مضامین)

از

مرتضیٰ احمد خان

ناشران:-

تاج کمپنی لمیٹڈ قرآن منزل ریلوے روڈ لاہور

قیمت:

اُن سعید روحوں کے نام

جو علمی اور عرفانی حیثیت سے دینِ حقّہ اسلام
کے معارف کو سمجھنے اور اخذ کرنے کے لئے بیتاب
رہتی ہیں۔

مرتضیٰ احمد خان

فہرس

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

پیش لفظ

اوراقِ مابعد میں وہ مضامین پیش کئے جا رہے ہیں۔ جو مختلف دینی موضوعات پر وقتاً فوقتاً اسلامی روزناموں کے خاص نمبروں کے لئے لکھے گئے۔ یہ مضامین بعض احباب کی فرمائش پر یکجا کر کے کتابی صورت میں منضبط کئے گئے ہیں انکوا حاطۂ تحریر میں لاتے وقت جن خصوصیتوں کو ملحوظ خاطر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک ان کی ادبی دلچسپی ہے تاکہ ذوقِ ادب رکھنے والے اصحاب انہیں شوق سے پڑھ سکیں۔ اور دینِ اسلام کے مقدس شعائر کے نکات و معارف کو غیر محسوس

طریق سے اخذ کرتے چلے جائیں۔ اِن مضامین کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان میں صحیح اسلامی احساسات کے اظہار کی سعی کی گئی ہے۔ اِس بات کا فیصلہ تو پڑھنے والے ہی کریں گے کہ مصنّف کا قلم دینی معارف کو ادبیانہ رنگ میں پیش کرنے کے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہو سکا ہے۔ البتہ مصنّف کا مدّعا دینی معارف کی اس اشاعت اور اسلامی احساسات کی اس تعمیم سے سعادتِ دارین کا حصول ہے جس کے پیشِ نظر قارئین سے التماس ہے کہ وہ خامیوں سے قطع نظر کر کے اِس نیازمند کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔ فقط

مرتضیٰ احمد خان

ناشرین کی التماس

"اسلام کے معارف" آقائے مرتضیٰ احمد خان کی پانچویں تصنیف ہے۔ جسے تاج کمپنی لمیٹڈ طبع و نشر کر کے شائقین کے ہاتھوں تک پہنچانے کا فخر حاصل کر رہی ہے۔ آقائے مرتضیٰ احمد خان کا اسمِ گرامی ملک کے علمی و ادبی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ گذشتہ بیس سال سے صحافت کے ذریعہ امّت مسلمہ کی دینی۔ علمی۔ ادبی اور سیاسی خدمات بجا لا رہے ہیں اس سے قبل تاج کمپنی لمیٹڈ آپ کی اوّلین تالیف "الہامی افسانے" کے پانچ ایڈیشن چھاپ کر نشر کر چکی ہے "الہامی افسانے" میں

انبیائے کرام علیہم کے وہ قصے دلچسپ ادبی پیرائے میں بیان کیئے گئے ہیں جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ "اسلام کے معارف" آقائے محترم کے ایسے مضامین پر مشتمل ہے۔ جو دین اسلام کی حقیقتوں پر مختلف اوقات میں قلمبند کیئے گئے۔ آقائے موصوف کی دیگر تصنیفات "مرزائی نامہ"۔ "تقدیر و تدبیر" اور "دودِ دل" ہیں۔ "مرزائی نامہ" میں احمدی فرقہ کے بعض سوالات کا جواب نہایت مدلل طریق سے دیا گیا ہے۔ اور "تقدیر و تدبیر" ایسے ادبی افسانوں پر مشتمل ہے۔ جن کا پس منظر سیاسی ہے۔ اِن افسانوں میں گذشتہ بیس سال کی اہم سیاسی تحریکوں کا تذکرہ نہایت ہی دل آویز پیرائے میں آ گیا ہے۔ جس کے باعث اِس کی بلند ادبی حیثیت میں تاریخی اور سیاسی حیثیت کا اضافہ ہوا ہے۔ "دودِ دل" آقائے موصوف کے سوز و گداز سے لبریز کلام کا مجموعہ ہے۔ یہ نظمیں اور غزلیں عشق و محبت کے جذبات کے ساتھ ساتھ دردِ قومی کی ترجمانی بھی کر رہی ہیں۔ آقائے مرتضیٰ احمد خان کا زورِ قلم اپنی عالمانہ اور ادیبانہ بالغ نظری کے ساتھ پہلے اوراقِ صحافت پر امتِ مسلمہ کے افکار کی رہنمائی کر کے ملک بھر سے خراج

تحسین وصول کرتا رہا ہے۔ اب تاج کمپنی لمیٹڈ آقائے موصوف کے رشحاتِ فکر کو کتابی صورتوں میں یکجا کر کے شائقین کے سامنے پیش کر رہی ہے اور آقائے محترم کے جذبۂ خدمت ملی کا ہاتھ بٹا کر بارگاہ رب العزت میں سعادت دارین کے حصول کی طالب ہے۔ قرآن پاک کے نسخوں کی نفیس نفیس طباعت اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت تاج کمپنی لمیٹڈ کا طغرائے امتیاز ہے۔ جس پر کمپنی بجا طور پر فخر و مباہات کا اظہار کر سکتی ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(شیخ) عنایت اللہ
مینجنگ ایجنٹ تاج کمپنی لمیٹڈ
ریلوے روڈ۔ لاہور

جو سرِ شام افقِ مغرب پر دیکھے گئے تھے - غائب ہو چکے تھے۔ پوری تابانی کے ساتھ چمکتے ہوئے کواکب کی انجمن اس نقشہ سے سر بسر مختلف نظر آ رہی تھی - جسے میں نے خواب میں جانے سے پہلے سراسر بے التفاتی کے عالم میں دیکھا تھا اور اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں ۔

رات کے تیسرے پہر کی خوشگوار نسیم خودرو اشجار کے اس ذخیرے سے جو آبادی سے دُور واقع ہے اور لہلہاتے ہوئے سبز کھیتوں سے جو میرے جائے قیام کے سامنے دُور تک پھیلے ہوئے ہیں - نباتی کائنات سے اُٹھنے والی خوشبو کے ہلکے تموج لا رہی تھی - جن سے طبیعت بشاشت کا ایک کیف آفریں احساس پیدا ہو رہا تھا ۔ +

بہار کا موسم تھا - میں اپنے سراچہ کی تیسری منزل کی چھت پر لیٹا ہوا کامل بیداری کے عالم میں چشمک زنی کرنے والے لاتعداد اجرام فلکی کی خاموش اور بے ترتیب انجمن کو دیکھ رہا تھا - ساری کائنات سو رہی تھی اور خیالات کے تسلسل میں انقطاع پیدا کرنے والا نہ کوئی خارجی عامل اس وقت برسرِکار تھا اور نہ میرے دل کی داخلی کائنات میں کسی قسم

کی حرکت محسوس ہو رہی تھی۔ جو مجھے فضائے آسمانی کی اس منور آبادی سے نامہ و پیام کرنے سے باز رکھتی ❊

نگاہیں ستاروں کی صفوں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں اور اس فضا کی منتہا کو تلاش کرنے کے لئے بیتاب تھیں۔ جس کے اندر یہ لاتعداد اجرام سماوی تیر رہے تھے اور خیال یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس طبقہ فضائی سے پرے جس میں درخشندہ اشیا بود و ماند رکھتی ہیں کیا ہے؟ ان کے موطن کی حد کہاں تک ہے اور ان کی سیرگاہیں کہاں پر جاکر ختم ہوتی ہیں ❊

علم ہیئت کے انکشافات جدیدہ میرے تحیر کو بڑھانے کے لئے میرے دماغ میں مستحضر ہونے لگے۔ میں سوچنے لگا۔ کہ یہ کواکب درخشاں جو رات کے اِس عالم خموشی میں میرے دل پر ایک فنا آموز ہیبت طاری کر رہے ہیں۔ نور و نار کے بہت بڑے بڑے کرّے ہیں۔ اتنے بڑے کہ کرّہ ارضی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ ان کے سامنے اس ذرّے کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ جن کے اتصال سے یہ زمین بنی ہے سورج زمین سے کئی لاکھ گنا بڑا ہے۔ لیکن ان کواکب میں لاکھوں

ایسے ہیں۔ جن کی ضخامت کے بحرِ ذخار میں ہمارے نظامِ شمسی کی حیثیت ایک قطرۂ بے مایہ سے زیادہ نہیں۔ نظامِ شمسی جو اربہا ارب میلوں کی وسعت میں پھیلا ہوا ہے۔ اور جس کے اندر عطارد۔ زہرہ۔ زمین۔ مریخ۔ مشتری زحل۔ یورے نس۔ نیپچون اپنے متعدد اقمار اور دوسرے ان گنت سیاروں کے ساتھ اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں ان ستاروں کے اربہا ارب خاندانوں میں سے ایک خاندان کا نہایت فرومایہ فرد ہے۔ انجم شناس کہتے ہیں کہ اگر کتاب کے پورے صفحہ پر ننھے ننھے ستاروں کے اس مجموعہ کی تصویر بنائی جائے۔ جسے کہکشاں کہتے ہیں۔ تو سارے نظامِ شمسی کو اس کے مقابلہ میں ایک نقطہ سے زیادہ جگہ نہیں دی جا سکتی۔ اور فضائے افلاک میں کہکشاں کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ دوسرے مجموعوں کی بہ نسبت قریب تر ہونے کے باعث ہمیں کسی قدر بڑی نظر آرہی ہے۔ میں نے سوچا کہ انہی کواکب میں بہت سے ایسے ہیں۔ جن کی روشنی ایک لاکھ ستاسی ہزار میل فی ثانیہ کے حساب سے چل کر ہماری آنکھوں تک بیسیوں سینکڑوں

بلکہ لاکھوں برسوں میں پہنچی ہے۔ پھر کون ہے جو ان کواکب کے بُعدِ مسافت کا اندازہ کر سکے اور اس فضا کو ناپ سکے۔ جو ہمارے اور ان کے درمیان حائل ہیں؟

اس وقت میرے دل میں ماہرینِ علم ہیئت کے اس تازہ نظریہ کا خیال بھی گذرا کہ کائنات سماوی اپنے شش جہات میں نظر یعنی روشنی کی رفتار کے حساب سے پھیل رہی ہے نئے نئے افلاک بنتے چلے جا رہے ہیں اور نئے نئے سورجوں۔ ستاروں۔ سیاروں اور قمروں کے ان گنت مجموعوں کو بکھیرتے چلے جا رہے ہیں یا یوں کہیے کہ جہاں تک ہماری عاجز نگاہوں کی رسائی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہمیں ستاروں کی نئی نئی دنیائیں ملتی چلی جا رہی ہیں اور جہاں تک خیال پرواز کر سکتا ہے۔ یہی سلسلۂ لامتناہی اس کے سفر کی صبر آزمائی کے لئے موجود و حاضر ہے۔

نظارے کی اس کیفیت۔ خیالات کے اس تعمق اور ماحول کے اس سکون نے جو اس وقت میرا ندیم بن رہا تھا۔ میرے دل پر کائناتِ سماوی کے جلال کا ایک پُرہیبت احساس طاری کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ اس عالم نار و نور کی پہنائیوں

میں نظام شمسی ہیچ ہے اور نظام شمسی کے سیاروں میں خاکدان آب وگل یعنی کرۂ زمین ہیچ ہے۔ اس کرۂ زمین کے مقابلہ میں جس کی سطح پر بڑے بڑے سمندر اور اونچے اونچے پہاڑ ہیں میری ہستی ہیچ ہے۔ میں جو ہر قسم کا شعور رکھنے کے باوجود آب وگل کے طلسم کا اسیر ہوں اور اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اس قدر عظیم کائنات کے سامنے لاشیئے محض ہوں۔ میرا پیدا ہونا لغو۔ میرا شعور حاصل کرنا بے معنی اور نیرنگ زارِ عالم کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنا سراسر رائگاں ہے۔ کاش میں زیادہ نہیں تو روشنی ہی کی سرعت رفتار کے ساتھ ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک پہنچنے کے قابل ہوتا۔ کاش میں ان ستاروں کی طرح افلاک کی غیر محدود پہنائیوں میں آزادانہ تیر سکتا۔ کاش میں نظاروں کو جو ان ستاروں کی دنیاؤں میں موجود ہیں۔ دیکھ سکتا۔ اور ان اشیاء سے تمتع حاصل کر سکتا جو قدرت کے ان غیر محدود خزانوں کے اندر بھری پڑی ہیں۔

میرے دل سے درد کی ایک ٹیس اٹھی۔ مجھے اپنی بے مایگی اور بے چارگی پر بہت رنج ہوا۔ اور میں دل ہی دل میں سوچنے

لگا۔ یہ ساری کائنات کس لئے ہے؟ کون وفساد کے یہ ہنگامے کیوں برپا ہو رہے ہیں؟ دُنیاؤں۔ کرّوں ستاروں اور قمروں کا یہ غیر مرتب ولامحدود طومار کس درد کی دوا ہے؟ میں انہی خیالات میں مستغرق اپنے بستر پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ میری نگاہیں ستاروں کی چمکتی ہوئی آنکھوں پر جمی ہوئی تھیں اور ہیچ میرزی کے احساس نے مجھے دریائے تحیر میں غرق کر رکھا تھا۔ کہ میں نہ پیدا ہونے اور عقل و شعور سے عاری رہنے کی تمنا کرنے لگا ۔

اس تمنا کے ساتھ ہی میرے دل میں خیال گذرا کہ اگر آنکھیں ہوتیں تو میں افلاک کے نظارہ کو دیکھ ہی نہ سکتا۔ کان نہ ہوتے تو ستاروں کے خاموش نغمے میری روح میں اتر کر میرے دل کو بیقرار نہ کر سکتے۔ جسم نہ ہوتا تو میں نسیم بہار کی فرحت افزا اٹھکیلیوں سے لذت اندوز نہ ہو سکتا۔ کام ودہن میں ذائقہ کی حس نہ ہوتی تو کڑوے کسیلے اور ترش و شیریں میں تفاوت نہ کر سکتا۔ ناک سونگھنے کی قوت سے محروم ہوتا تو نکہتوں اور خوشبوؤں کا عالم میرے لئے ناپید ہو جاتا۔ بس یہ کائنات محض اس لئے موجود ہے کہ میں موجود ہوں۔

میں نے ہی اپنے حواس سے کائنات کا یہ طلسم اپنے گرد پیدا کر رکھا ہے۔ کائنات کی ہستی اور میری ہستی لازم و ملزوم ہیں۔ اگر میرے اندر عقل و فکر اور فہم و شعور کی اہلیتیں نہ ہوتیں جو موجود ہیں تو کائنات ہیچ تھی۔ یہ میرے ہی حواس ہیں جنہوں نے کائنات کو میری نظروں میں اس قدر ہیبت ناک اور عظیم بنا رکھا ہے۔ حواس کے سلب ہو جانے کے ساتھ ہی ساری کائنات بھی سلب ہو جاتی ہے۔

اس خیال کا دل میں گذرنا تھا۔ کہ میرا دل کنول کے اس پھول کی طرح کھل گیا۔ جس پر شبنم کے قطرے نزہت و تازگی بکھیر رہے ہوں۔ میں اپنے آپ کو نظام کائنات کا مرکز محسوس کرنے لگا۔ میری روح پھیلتے پھیلتے ساری کائنات پر حاوی ہو گئی اور وہ ہیبت جو میرے دل میں نیرنگیٔ افلاک کے اثر آفرین نظارہ سے پیدا ہو رہی تھی۔ یک قلم جاتی رہی۔ ستاروں کی اس بھری انجمن نے یک زبان ہو کر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۝ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۖ مَا تَرَىٰ فِي — اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے۔ جس نے تو بر تو سات آسمان

خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ o ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ o

بنا دیئے۔ اے دیکھنے والے۔ بھلا تجھ کو رحمٰن کی اس صنعت میں کچھ کسر نظر آ رہی ہے۔ ذرا ایک بار پھر دیکھ کہ آیا تجھ کو کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے۔ پھر دوبارہ اور نظر دوڑا۔ تیری نظر کھسیانی ہو کر تھکی ماری تیری ہی طرف لوٹ آئے گی ؎

میرے قلب کی گہرائیوں سے بے ساختہ یہ آواز نکلی:-

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا، سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (الآیت)

(اے ہمارے پروردگار۔ تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ تیری ذات پاک ہے پس ہمیں عذابِ نار سے بچا)

میں اپنی روح کی پکار پر بستر سے اُٹھا اور باوضو ہو کر اس ذوالجلال والاکرام کے حضور میں سربسجود ہو گیا جس نے یہ کائنات پیدا کی اور اس کائنات سے لطف اندوز ہونے کے لیے انسان کو مختلف اقسام کے متعدد حواس

عطا کئے۔ تاکہ اس نسبت اضافی سے قادرِ مطلق و توانا کی وہ مشیت پوری ہو۔ جس کے لئے یہ سب کچھ ظہور میں لایا گیا ؂

کائنات کی دو عظیم صداقتیں
(قرآنِ حکیم اور رسول کریم)

معترض بولا "تمہارے پاس قرآن کے منزل من اللہ اور منزہ عن الخطا ہونے کی سب سے بڑی دلیل کیا ہے؟"
میں نے کہا کہ قرآن حکیم کے خدائی کلام ہونے کی سب سے بڑی دلیل میرے پاس یہ ہے کہ یہ کلام پاک ہمیں اس بے نظیر شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وساطت سے ملا۔ جسے اس کے دشمن بھی صادق الامین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

جس کی زندگی خدا کا رسول بننے سے پہلے اور بعد ہر طرح کی معصیتوں سے پاک رہی۔ جس کی فطرت میں جھوٹ بولنے۔ دھوکا دینے۔ فریب کرنے اور جھوٹی بات بنانے کی صلاحیت ہی موجود نہ تھی۔ جس نے زندگی بھر کسی انسان کے خلاف جھوٹا الزام نہیں لگایا۔ وہ خدا پر افترا نہیں باندھ سکتا تھا۔ قرآن میرے نزدیک اِس لئے برحق ہے کہ وہ محمّد (بابی ہو وامیؐ) صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوا اور خدا کے اس صادق ترین بندے نے ہمیں بتایا کہ یہ خدا کا کلام ہے

میں نے کہا۔ اے معترض تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ جب محمّدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے پہلے پہل اپنے خویش واقربا کو کوہِ فاران کے دامن میں احکم الحاکمین کے غضب سے ڈرانے کے لئے جمع کیا تھا۔ تو سب سے پہلا سوال ان سے یہ کیا گیا تھا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن کا ایک بہت بڑا لشکر بیٹھا ہے جو تمہارے جان و مال پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا تم میری بات مان لوگے؟ اس وقت سب نے متفقہ طور پر یہ جواب دیا تھا کہ ہم نے تمہاری زندگی کے گذشتہ چالیس سال میں تمہیں کوئی غلط بات کہتے نہیں سُنا۔ لہذا

اگر تم ہم سے یہ کہو گے - تو ہم کسی قسم کا شک و شبہ کئے بغیر تمہاری بتائی ہوئی خبر کا یقین کر لیں گے ۔

اے معترض ! قرآن پاک کے خدا کا کلام ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سا راستباز انسان اس کی تصدیق کر رہا ہے - جس کی زندگی کا کوئی لمحہ ہم سے پوشیدہ نہیں - دنیا میں اور بھی بہت سے مصلح اور اعاظم رجال گذرے ہیں - لیکن کسی کی زندگی کے حالات اس قطعیت - صداقت اور صحت کے ساتھ اوراق تاریخ نے محفوظ نہیں کئے جس طرح کہ پیغمبر عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے حالات محفوظ ہیں - حضور کا اُٹھنا - بیٹھنا - سونا - جاگنا - بولنا اور روزمرہ کے کام کاج میں حصہ لینا ہمیں اس طرح معلوم ہے کہ گویا یہ سب واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے گذرے ہیں اور ان حالات سے جن کی صحت کے متعلق سخت سے سخت نکتہ چین کو بھی مجال اعتراض نہیں ہو سکتی - ہم پر یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام امور و اقوال میں صادق اور امین تھے - پس نوع انسانی کے ایک صادق ترین شخص کا یہ فرمودہ جھوٹ نہیں ہو سکتا -

کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور ایسے امین پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے خدا کے کلام کو خدا کے بندوں تک پہنچانے میں کسی قسم کی خیانت سے کام لیا۔

معترض نے دوسرا سوال یہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت کی سب سے زیادہ روشن دلیل تمہارے پاس کیا ہے؟

میں نے جواب دیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی سب سے زیادہ روشن دلیل میرے پاس یہ ہے کہ خدا کے اس پیغمبر پہ قرآن حکیم ایسی بے نظیر کتاب نازل ہوئی جس کی فصاحت وبلاغت کا دنیا بھر میں کوئی جواب نہیں۔ جس کی تلاوت انسان کو روحانی حلاوت بخشتی ہے۔ جس کی ایک ایک آیت میں کائنات ارضی وسماوی کی ہزاروں اور لاکھوں صداقتیں موجود ہیں۔ جس میں نوع انسانی کو پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا نہایت ہی اعلیٰ دستور العمل دیا گیا ہے۔ ایسا دستور العمل جس پہ چلنا انسان کی دسترس سے باہر نہیں۔ لیکن جس پہ چل کر ان کی ان مشکلات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ جو اسے اس کرۂ ارضی پر ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک پیش آ رہی ہیں ایسی کتاب جو نوع انسانی کو نجات اخروی کی راہ بتاتی ہے اور اس منزل

مقصود کا پتہ دیتی ہے۔ جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا جس میں ماضی۔ حال اور مستقبل کے واقعات اس طریق سے بیان کئے گئے ہیں کہ گویا وہ سب کے سب بیان کرنے والے کے سامنے واقع ہو رہے ہیں۔ جس کے احکام انسان کی ہر ارتقائی منزل پر حاوی ہیں اور جس میں ان عظیم الشان انقلابات کا تذکرہ صاف اور صریح۔ غیر مبہم اور معین الفاظ میں موجود ہے جو نوع انسانی کو آئندہ پیش آنے والے ہیں۔ جس کا ایک ایک نقطہ تر ازو بن کر جگر میں پیوست ہونا اور روح بن کر اتر جاتا ہے ایسی کتاب جس نے انسانوں پر ہر حیثیت سے خواہ وہ سیاسی ہو یا معاشرتی۔ اقتصادی ہو یا علمی۔ ذہنی ہو یا روحانی۔ ترقیات کے نئے باب کھول دیئے ہیں اور ان سب حیثیتوں کے متعلق یکسر نئی دنیاؤں کا تصور ان کی آنکھوں کے سامنے لا ڈالا ہے۔ غرض ایسی کتاب جو راحت دنیوی اور عیش اخروی دونوں کیلئے انسان کو نجات کی سیدھی راہ دکھاتی۔ اسے اپنے مقصدِ تخلیق سے آشنا بناتی اور منزل مقصود کی طرف گامزن ہونے کے لئے اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ ایسے ہی سینہ پر نازل ہو سکتی تھی۔ جس کی شان و شوکت میں کسی قسم کا کلام نہیں کیا جا سکتا۔

اے معترض! میں نے وہ صحائف آسمانی بھی دیکھے ہیں جو قرآن حکیم سے پہلے صالحین بنی آدم پر وقتاً فوقتاً نازل ہوئے لیکن اُن میں وہ جامعیت نظر نہیں آتی جو اس کتاب میں پائی جاتی ہے۔ پُرانی کتابوں کے مندرجات محض وقتی حیثیت کے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم کی آیات انسان کی ابدی ضروریات کی کفیل ہیں۔ پچھلی کتابیں اپنے مطلب کے لحاظ سے بہت تشنہ دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن قرآن حکیم کے ذخائر عرفان ہر انسان کی روحانی پیاس بجھانے کے بعد بھی بدستور پیاسوں کو دعوتِ تسکین دیتے نظر آتے ہیں ؎

پس اے معترض! پہلے تو قرآن حکیم کی عظمت پر غور کر اور پھر دیکھ کر یہ کتاب جو انسان کے مستقبل کی ہر بڑی سے بڑی ترقی کو بھی جس کا تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ اپنی بینات کی پیٹ میں لے کر اُسے پاکیزہ زندگی بسر کرنے اور آخری فوز و فلاح کی طرف لے جانے کی تلقین کر رہی ہے جس سینے پر نازل ہوئی۔ اس کی پاکیزگی و عظمت کا درجہ کتنا بلند ہو گا۔ اس جلیل القدر انسان کی روحانی عظمتوں کی کیفیت کیا ہو گی۔ جس کی روح زماں و مکاں کی تمام وسعتوں پر حاوی ہو کر

قرآن حکیم کو قبول کرنے کی حامل بنی۔ جس کی نظروں کے سامنے ماضی۔ حال اور مستقبل کے تمام پردے ہٹ گئے۔ اور کائنات کے سارے اسرار منکشف ہو گئے ﴿

پس اے معترض! میرے نزدیک قرآن پاک کے برحق ہونے کی سب سے بڑی دلیل حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اور حضور خواجۂ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی سب سے بڑی شہادت قرآن حکیم ہے اور اس کائنات ارضی و سماوی کی یہی دو ایسی صداقتیں اور حقیقتیں ہیں۔ جن کے مقابلہ میں کسی اور شے کو پیش نہیں جا سکتا ﴿

رحمۃ للعالمین

از مقامِ مصطفٰے در حیرتم ۔۔۔ وز مقامِ کبریا آگہ دلم

اولادِ آدم میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی ہمت و وسعت اور اپنے اپنے فہم و ادراک کے مطابق کائنات ارضی و سماوی کی اس جلیل ترین شخصیت کا مقام دیکھنے اور پہچاننے کی کوشش کی ۔ جس کے ہاتھ پر نوع انسانی اور کائنات کے دیگر عوالم کی نوری ۔ ناری اور خاکی مخلوق کی نجات مقدر ہو چکی تھی ۔

لیکن جس اچھے زاویہ نگاہ سے اسے دیکھا اور جس اچھے

معیار پر اسے پرکھا۔ اس کے مقام کو اپنے فہم و ادراک سے اتنا بلند پایا کہ اعتراف عجز کے سوا کوئی چارہ کار ہی باقی نہ رہا۔ اور یہی کہتے بن آئی کہ ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایزد بے مثال کی ہستی اور اس کی لازوال قدرتوں سے انکار صریح کرنے والے مغرور اور سرکش انسان بھی عرب کے خیر البشرؐ کی عظمت و رفعت کے سامنے عجز و اعتراف کی گردنیں جھکاتے دیکھے گئے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ نوع انسانی کی حیات اجتماعی و انفرادی کی گردنوں پر اگر کسی کے سب سے زیادہ احسان ہیں تو وہ بھی آمنہ کا لال ہے۔ جس نے عرب کی سرزمین میں تخیر نئے خیالات کے بیج بوئے اور انسان کی زندگی میں ایک حیرت انگیز و خوش آئند انقلاب برپا کر دیا۔

وہ جنہیں اپنی تنگ نظری کے باعث خدا کے دین کے ساتھ ازلی و ابدی بیر ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات پر انگشت بدنداں و لب گزاں ہیں۔ کیونکہ

انہیں نوعِ انسانی کی ساری تاریخ میں کوئی دوسری ایسی ہستی نہیں ملتی۔ جو سید المرسلین کی زندگی کی طرح جامع جملہ کمالات ہو ؎

محمد عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے انسانوں میں بڑے بڑے جابر و قاہر حاکم۔ خدائی کا دعوٰے کرنے والے فراعنہ و نمارده۔ انسان کو صراطِ مستقیم کی دعوت دینے والے مصلح اور پیغمبر۔ کائنات کے مسائل پر غور کرنے والے فلسفی اور عالم غرض ہر قسم کے لوگ ہو گذرے تھے۔ لیکن فیض رساں اور کامیاب زندگی کی جو کیفیت انسان کی آنکھوں نے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صورت میں دیکھی۔ وہ نہ کبھی پہلے معرضِ ظہور میں آئی۔ نہ بعد میں کسی کو حاصل ہو سکی ؎

مرسلین یزدانیؑ کی صف میں حضرت سید المرسلین کی امتیازی خصوصیات بے شمار ہیں۔ ایک نمایاں خصوصیت جو بڑی ہی حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کی زندگی کے کام معجزات کی نفی کر لینے کے بعد بہت معمولی حیثیت کے رہ جاتے ہیں۔ لیکن حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے عام واقعات کو اگر معجزوں سے الگ کر کے دیکھا جائے تو

بھی اس زندگی کے عظمت و جلال میں کوئی فرق نہیں آتا۔
اس شخصیت کی عظمت و رفعت کا اندازہ کون کر سکتا
ہے۔ جس کے ظہور سے پہلے صدیوں اس کی آمد کا انتظار
رہا۔ مرسلین خداوندیؑ جس کی تعریف و توصیف کے گیت
گاتے رہے اور نوع انسانی کو یقین دلاتے رہے کہ اس کی
آمد کے بغیر تمہیں نجات کی راہ نہیں ملے گی۔ جس کے بعد
کائنات ارضی و سماوی نے اس کی بزرگی کا کلمہ پڑھا۔ اور
جس کی زندگی کے جلال زمانہ مستقبل میں جب تک کہ عالم
امکان قائم ہے۔ روشن تر صورتوں میں جلوہ گر ہوتے رہیں گے
اور جس کی رفعتوں کا صحیح مقام اس دن ظاہر ہو گا۔ جو یوم
النشور ہے۔ جس میں اگلی اور پچھلی ارضی اور سماوی ساری
امتوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔ اور جس روز مقام محمود
پر جلوہ افروز ہو کر سب کو اس دن کی مصیبتوں سے نجات
دلانے والا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نظر
نہ آئے گا۔

کور سواد لوگوں نے کہا کہ کائنات ارضی و سماوی کی وہ
حقیقت کبریٰ جسے خدا کہا جاتا ہے۔ حلول کر کے اپنے بندوں

میں آجاتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور مصطفےٰ کے مقام نے یہ بتایا۔ کہ بشر اس حقیقتِ کبریٰ سے اتنی نزدیکی حاصل کر سکتا ہے کہ اسے قاب قوسین او ادنیٰ اور ما زاغ البصر وما طغیٰ کے انعام سے نوازا جائے ؛

دین الٰہی کی تکمیل نوع انسانی کی منزل مقصود کی نشاندہی۔ صراطِ مستقیم کا افتتاح۔ فکر انسانی کی آزادی اور نظام عالم کے چرخ کو اس طرح سے چلا دینا کہ انسان اور عوالم کائنات کی دیگر ذی شعور مخلوق اس راستہ پر ہولے جس پر چل کر اسے اپنی ہر گونہ مصیبتوں سے آزادی اور ہر نوع کی مجبوریوں سے مخلصی حاصل ہو جائے۔ اسی خیر البشرؐ کا کام تھا۔ جس سے آج مسلمان کہلانے والے اور اسلام کو ظاہراً قبول نہ کرنے والے جن و بشر علی قدر استطاعت مستفیض ہو رہے ہیں۔ نوع انسانی کے انداز نظر اور زاویہ نگاہ میں بہت بڑی تبدیلی آچکی ہے اور انہی امور کو آج ہر جگہ حسنات تصور کیا جا رہا ہے۔ جنہیں ہادی برحقؐ نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے حسنات قرار دیا تھا اور ان معایب سے بچنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جنہیں محمد صلی اللہ

علیہ وسلّم کے خدا نے سیئات قرار دیا تھا۔ غور سے دیکھا جائے تو نوعِ بشر اپنا وہ سفر شروع کر چکی ہے۔ جس کے لئے پیغمبر آخر الزماںؐ سے اسنے تاکید کی تھی۔ اور اُمید کی جا سکتی ہے کہ نجات اور مخلصی کا زمانہ قریب آ گیا۔ یہ اور بات ہے نوعِ انسانی کی بہت سی جمعیتوں کو یہ خبر نہ ہو کہ اپنی مشکلات کے حل کے لئے جن تدابیر پر وہ عمل پیرا ہو رہے ہیں اور جن نئے نئے خیالات و عقائد کو وہ قبول کرتے جا رہے ہیں۔ انکا سرچشمہ کہاں ہے ؟

کون ہے جو اُن احسانات کا شمار کر کے بتا سکے جو میرے آقا و مولا کی ذات قدسی صفات، ان کے اسوۂ حسنہ اور ان کی دی ہوئی علمی و عملی تعلیم کی بدولت خدائے کریم نے نوعِ جن و بشر پر کئے ؟ کس کا حوصلہ ہے کہ اپنے ضمیر سے ملامت کی آواز سنے بغیر ان احسانات سے لمحہ بھر کے لئے انکار کی جرأت کر سکے۔ یہی وہ خدا کا نور ہے جو فاران کی چوٹیوں پر جلوہ گر ہوا اور کائنات کے سارے عوالم پر رحمت کے بادل بن کر چھا گیا جس کے نعلین کے طفیل انواعِ جن و بشر ایسی زندگی حاصل کر نیوالے ہیں جو کبھی انکے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ فقل اللھم صل علی محمد و علی

آلِ محمد الف الفِ مرۃٍ وبارِک وَ سلّم ۔

میلادالنبیؐ

سچے مسلمانوں کے قلوب زندگی کے کسی لمحہ میں بھی حضورِ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے غافل نہیں ہوتے ان کی پاک روحوں کا ذرہ ذرہ ہر وقت ہر حال میں اور ہر جگہ سید المرسلین وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آن (م) کی آل پر درود وسلام بھیجتا اور اُن کے خون کا قطرہ قطرہ فرطِ عقیدت کے اظہار کے لیے رگوں نسوں اور ریشوں میں بے تاب وبے قرار رہتا ہے۔

لیکن ربیع الاول کے مبارک مہینے میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم

کے تذکار کے سلسلہ میں دنیا بھر کے فرزندانِ توحید کی سرگرمیاں تیز تر اور زیادہ تر ہو جاتی ہیں۔ اِس لئے کہ اس مبارک مہینے میں وہ روزِ مسعود آتا ہے۔ جب نوعِ انسانی کو نجات کی سیدھی راہ کا پتہ دینے والے جوہر نے متشکل ہو کر اس عالم کون و فساد کو اپنے ورود سے سرفراز فرمایا تھا اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں انسان کو فوزِ عظیم تک پہنچنے کی خوش خبری سنانے والے اور اس منزلِ مقصود کی صراطِ مستقیم دکھانے والے بشیر و ہادی نے اپنا کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد اپنے رفیق الاعلیٰ کی صحبت میں روپوشی اختیار کر لی تھی ؎

آج محلے محلے قریہ بقریہ بلکہ خانہ بخانہ میلاد شریف کی مبارک محفلیں منعقد کی جا رہی ہیں اور مسلمان اپنے ہادیٔ برحق کی زندگی کے تذکار سے اپنے اپنے ایمانوں کی تازگی کا سامان مہیا کرنے کی فکر میں ہیں لیکن ان کروڑوں مسلمانوں میں سے کتنے ہیں۔ جو اپنے دِلوں میں سے اِس جذبۂ پاک کو صحیح طور پر محسوس کر سکتے ہیں جسے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان و ایقان کی شناخت کے لئے بطور معیار مقرر کر دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان اس وقت

تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کا دِل مال و منصب زن و فرزند اور اب و اُمّ کی محبت سے گذر کر خالصتہً خدا کے اس نبیؐ کا نہیں ہو جاتا۔ جس نے اسے نجات کی سیدھی راہ دکھادی ❊

پس جو مسلمان اپنے دِل میں اپنے علائق دنیوی میں کسی ایک محبت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مقدم اور اس پر فائق رکھتا ہے۔ اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اسکا ایمان ابھی خام اور نمائشی ہے اور ابھی وہ رب العالمین کے اُن انعامات کا جنہیں قرآن حکیم میں حَسَنَةً فِی الدُّنیا وَحَسَنَةً فِی الْاٰخِرَةِ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مستحق نہیں بنا ❊

پس اے میلاد النبیؐ کی محفلیں برپا کرنے والو ۔ اپنے دِلوں اور اپنی روحوں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھو کہ کہیں وہ جذبۂ عشق نبی سے خالی تو نہیں ۔ اپنے اعمال پر نگاہ ڈالو کہ کہیں وہ ایسے تو نہیں کہ قیامت کے دِن ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض ہو کر لَستَ مِنِّی (تو میرا نہیں) کہہ کر روگردانی کر لیں ❊

ہاں اپنے دِلوں کو اچھی طرح ٹٹول کر دریافت کر لو کہ تمہارے

علائق دنیوی میں سے کوئی چیز تمہیں اتنی عزیز تو نہیں کہ جسے تم اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں قربان کرتے وقت متامل و متذبذب ہو جاؤ۔

یاد رکھو کہ کسی مسلمان کے لئے اس سے زیادہ مصیبت و بدبختی اور کوئی نہیں کہ قیامت کے دن حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خامی عشق اور ناپختگی ایمان سے ناراض ہو کر اُسے لَسْتَ مِنِّیْ کی وعید میں مبتلا کر دیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ۔

محبّتِ رسول

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

مومن اور مشرک، مسلم اور کافر کے انداز نظر میں جس سے
وہ زندگی اور اس سے متعلقہ مسائل کو دیکھتے ہیں۔ ایک نمایاں
ما بہ الامتیاز یہ بھی ہے کہ مشرک و کافر اس جہان کی چند روزہ
زندگی ہی کو مقصد حیات سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ عمر گذار
لینے کے بعد موت کے ساتھ ہی قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے
جسم کے عناصر متجزی ہو کر کائنات کی دوسری اشیاء میں مِل

جاتے ہیں اور رُوح اگر کوئی شے ہے تو وہ آواگون کے چکر میں اسی طرح مبتلا ہو جاتی ہے۔ جس طرح موجودات عالم کی دوسری مادی اشیاء ایک غیر مختتم و متواتر دائرہ کی گردش میں گرفتار نظر آتی ہیں۔ اس کے برعکس مسلمان کا عقیدہ بلکہ یقین ہے کہ انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے انسان کسی خاص اور طے شدہ منزل و مقام کی طرف قدم بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔ زندگی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوتی بلکہ شروع ہوتی ہے اور وہ زندگی جاودانی ہے۔ جب منزل سامنے ہو تو اس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے راہِ راست اور صراطِ مستقیم کی تلاش کا سوال لازمی ہو جاتا ہے اور صراط مستقیم کو پہچان لینے کے بعد ان ذرائع کی جستجو ہوتی ہے۔ جن کے بل پر اس سفر کو طے کیا جائے۔ اِسی صراط مستقیم اور اس پہ گامزن ہونے کے ذرائع کو دین کہتے ہیں اور دین جو نوعِ انسانی کو اور اس کے افراد متفرقہ کو انفرادی و اجتماعی حیثیات سے منزل مقصود تک لیجانے کی صلاحیت کامل رکھتا ہے۔ یہی دین اسلام ہے جو خدا نے اپنے آخری رسول خاتم النبیین محمد مصطفٰے احمد مجتبےٰ (بآبائنا و امہاتنا) صلی اللہ علیہ وسلم

کی وساطت سے کامل و مکمل شکل میں نوعِ انسانی کو بنایا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے شعر میں جسے ہم نے عنوان بنایا ہے ۔ اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کا خواہاں ہے تو اس کے سوا اس کے لئے اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائے ۔ حضور کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرے ۔ اُن کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلے حضورؐ کے ارشادات پر ایمان لائے ۔ جو لوگ اس صراطِ مستقیم سے ہٹ کر احکامِ نبویؐ کے خلاف عمل کریں گے ۔ وہ ضلالت و گمراہی کے بیابانوں میں بھٹکتے پھریں گے اور کبھی اس قابل نہ ہوں گے کہ ارتقا کی اس منزل تک پہنچ سکیں جو انسان کے لئے مقدر ہو چکی ہے ۔ آج کی تاریخ کائنات و موجودات کے اسی ہادیٔ اعظم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یومِ ولادت وصال ہے ۔ اس دِن قدرتی طور پر رسولِ عربی کے نام لیوا حضورؐ کی یاد کو معمول سے زیادہ ذوق و شوق کے ساتھ اپنے دِلوں میں تازہ کرتے ہیں ۔ حضورؐ کی محبت کے انمول خزینوں کو اپنی روحوں کے اعماق میں جمع کر کے دنیوی اور اخروی سعادتوں کے ذخائر

مہیا کرتے ہیں ۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کے قلوب کائنات کے اِس محسنِ برحقؐ کے عشق کی نعمت سے مالا مال ہیں ۔ کیونکہ ایمان صحیح کی علامت یہ اور فقط یہ ہے کہ مسلمان کے دِل میں حضورؐ کی محبّت کا جذبہ تمام جذبات وحسیات پر غالب ہو ۔ ماں باپ ۔ بھائی بہن ۔ خویش واقارب ۔ اولاد واحباب ۔ مال و دولت ۔ عزّت وآبرو ۔ آرام وآسائش اور جان غرض ہر شئے پر جو انسان کو عزیز ہے یا کسی طریقہ سے عزیز ہو سکتی ہے حضورؐ کی محبّت کو مرجّح و افضل رکھا جائے ۔ آج ہر مسلمان کو اپنے قلب اور اپنی روح کا جائزہ لینا چاہیئے کہ وہ کون کون سی اشیا یا کون کون سے مقاصد کو عزیز رکھتا ہے ۔ پھر دیکھے کہ آیا وہ اِن محبوبات کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کے آستانہ پر قربان کرنے کی ہمّت و استعداد یا اس کا ذوق وشوق رکھتا ہے ۔ یا نہیں ۔ اِس سے خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ایمان کا درجہ کتنا بلند ہے اور خدا کے نزدیک اس کا مقام کس قدر ارفع ہے ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

قَابَ قَوسَین اَوْ اَدنیٰ

سُبحٰنَ الَّذِی اَسرٰی بِعَبدِہٖ لَیلًا مِّنَ المَسجِدِ الحرام الی المسجد الاقصیٰ الّذی بٰرکنا حولہٗ لنریہ من اٰیٰتنا انّہٗ ھوالسّمیع البصیرہ
(بنی اسرائیل ۔ ع)

پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے اس مسجد اقصےٰ تک لے گیا ۔ جس کے گردا گرد کی سرزمین کو ہم نے برکتوں سے مالا مال کر رکھا ہے تاکہ ہم اسے اپنی آیات (نشانیاں) دکھائیں ۔ البتہ وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے ۔

کائنات کی لامحدود پہنائیوں کے اس مقام تک جہاں

اقلامِ قدرت کے چلنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ کی حد بندی ملائکہ کبار کو بھی آگے قدم بڑھانے سے روک دیتی ہے۔ اس عالمِ خاک و باد کا ایک ساکن مستانہ وار قدم بڑھاتا ہوا جا نکلتا ہے اور حقیقتِ کبریٰ کے بالمقابل پہنچ جاتا ہے جو ہزاروں پردوں اور حجابوں کے پیچھے چھپ کر اس کائنات ارضی و سماوی و عوالم ملکوتی و جبروتی پر فرمان فرمائی کر رہی ہے اور اپنے کسی ارادہ و منشا کے مطابق تخلیق و ربوبیت اور حفاظت و تکمیل کے فرائض بجا لا رہی ہے۔

یہ مسافر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جن کے وجود قدسی میں بشری اور ملکوتی شمائل و خصائل کی خوبیاں اپنی معراج کمال تک پہنچ کر جمع ہو چکی ہیں اور ہر قسم کے فضائل کے ارتقا کی منزلیں جن سے کوئی ذی روح و ذی شعور زندگی متصف ہو سکتی ہے۔ وہاں پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ انسانیت نوع بشر کے لئے۔ ملکوتیت ملائکہ کے لئے اور حیات کی دوسری اقسام اپنی اپنی انواع کے لئے۔ وہ کامل و مکمل نظیر قائم کر دیتی ہیں۔ جس کے رنگ میں رنگے جانے اور جس کی صفات سے متصف ہونے کا فرض ہر ذی فہم و ذی روح ہستی کے لئے

خواہ وہ کائنات کے کسی کرہ یا گوشہ میں نشوونما پا رہی ہو عین مقصدِ تخلیق ہے (لکم فی الرسول اسوۃ حسنۃ)

اور وہ حقیقت کبریٰ جس کے دیدار سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اس قدر قرب سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ بندوں کی زبان میں "قادر مطلق خدا" کے نام سے موسوم ہے۔ جسے اس کی بوقلموں صفات کے اعتبار سے بعض دیگر اسمائے حسنیٰ کے ساتھ بھی پکارا جاتا ہے ۔

یہ وہ مقام ہے جہاں تک محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کائنات ارضی وسماوی کی کسی مخلوق کی رسائی نہیں ہوتی۔ جس کے قرب وجوار میں وہ جنت الماویٰ واقع ہے۔ جو بعث بعد الموت کی زندگی میں ایمان لانے والوں اور نیکو کاروں کا مسکن ہوگی۔ جہاں سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اور ان کے احکام کے پیروکار جن و بشر اسی جمالِ سرمدی کا مشاہدہ کریں گے جو ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی زندگی کے دوران میں بحالتِ بیداری و بعالمِ جسدی دکھایا گیا ۔

واقعۂ معراج کی تفاصیل جو حسب روایات صحیحہ امت مسلمہ

تک پہنچی ہیں۔ ان کا اجمال اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (بابی ہو و امی) ایک رات حطیم کعبہ میں استراحت فرما رہے تھے کہ جبریل امین نے انہیں جگا کر براق پر سوار کرایا اور خود عنان تھام کر پہلے آپکو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک لے گئے۔ وہاں سے افلاک کے مختلف عوالم کی سیر کراتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا۔ جہاں پرشانِ ربانی کا پرتو پڑ رہا تھا۔ اس مقام پر حضور کی آنکھوں کے سامنے سے وہ آخری پردہ بھی اُٹھا لیا گیا جو امر اللہ کی صورت میں آنکھ اور کائنات اور اس کے عوالمِ رنگا رنگ کی حقیقتِ قطعی کے مابین حائل تھا۔ یہیں حضور پر ان حقائق و اوامر کی وحی کی گئی۔ جن کے متعلق ارشاد ربانی میں فقط بہ تلمیح وکنایہ (فھو ابلغ من التصریح) موجود ہے کہ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ (پس اس نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو اسنے وحی کی)

واقعہ یہ ہے۔ جسے کسی قسم کی توجیہہ و تاویل کے بغیر تسلیم کر لینے میں اُن لوگوں کو عذر نہیں ہو سکتا جو رب اکبر کی قدرت ہائے رنگا رنگ کی ہمہ گیر پہنائیوں اور وسعتوں کے قائل ہیں۔ جو یہ جانتے ہیں کہ انسانی عقل و فکر کی بلند پروازیاں ان

اسرار و غوامض کو پوری طرح سمجھنے کے قابل نہیں بن سکیں جو مقام نبوت اور مقام تکمیل نبوت سے مختص ہیں۔ لیکن جائے حیرت ہے کہ اس واقعۂ معراج کو جو بشر کی قدرت فہم و ادراک سے ورا الورا شے ہے۔ اکثر مسلمانوں نے اپنے فہم و شعور کے نزدیک لاکر سمجھنے کی کوشش کی اور اس مسئلہ کو باہمی منطق آرائیوں کی آماجگاہ بنالیا۔ اِن حقائق کو جن تک فکر انسانی کی رسائی بر این عالم جسدی و مادی امر محال ہے یسیر الفہم بنانے کے لئے ایسی ایسی توجیہات شروع کردیں جو ان کی ناقص عقلوں اور ان کے واماندۂ راہ علموں کی تسکین کے سامان مہیا کر سکتی تھیں۔ منطقی نے اپنے رنگ میں اس کی توجیہہ پیش کی فلسفی نے اپنی دانست کے مطابق اسے ان کلیات کا جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ جو فکر انسانی نے تشکیک کے صدہا لرزوں کے ساتھ وضع کئے تھے۔ صوفی نے اپنے واردات قلبی کی روشنی میں حقیقت معراج کو دیکھنے کی کوشش کی اور دانش فروش مغرب نے یہ کہہ کر اپنے دل کی تسکین کرلی کہ یہ اسی عالم خواب کی باتیں ہیں جس کی حقیقت سمجھنے سے علوم حاضرہ کی ساری ترقیات سردست عاجز ہیں۔ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس ۔

(اور ہم نے جو نظارہ تجھے دکھایا۔ اسے لوگوں کیلئے آزمائش وامتحان کی کسوٹی بنا دیا)

معراج شریف کی منطقی توجیہہ

جن لوگوں کی ناقص عقلوں نے اس امر کو باور کرنے سے انکار کر دیا کہ کوئی شخص بحالت جسدی و بعالم بشری ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر کر سکتا ہے اور وہاں سے پرواز کر کے افلاک کی سیریں بھی اسی رات کے اندر اندر کر لینا ہے۔ انہوں نے بلا تامل یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ یہ معراج سپنے کی معراج تھی۔ ایک خواب تھا جو عالمِ غنودگی میں حضور سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور اپنے رفقا و معاصرین سے بیان کر دیا۔ ازبس کہ انبیائے کرام کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ لہذا جو کچھ حضور نے خواب میں دیکھا صحیح تھا۔ ان دانش فروشوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہی بشر عالمِ مادی میں ایسی ایسی ایجادات کر لینے والا ہے کہ وہ بعالم جسدی ایک ہی رات میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے واپس آ جائے۔ اور یہی بشر اپنی علمی ترقیات کے بل پر ایک نہ ایک روز اجرامِ فلکی و کواکب

سماوی تک پہنچنے اور وہاں کے حالات بہ چشم سر خود معائنہ کرنے
کے داعیے باندھنے والا ہے۔ اگر نقل مکانی اور سرعت سیر کے لئے
انسان کی مادی ترقیاں ریلیں اور طیارے ایجاد کر سکتی ہیں تو
کوئی وجہ نہیں کہ زمان و مکان کی قیود پر قابو پانے کے بعض دوسرے
ذرائع البشر کے حیطۂ امکان سے باہر ہوں اور جس وجودِ قدسی
کے متعلق وہ اپنی ناقص عقل کے بل پر خواب و منام کا اتہام باندھ
رہے ہیں۔ وہ تو خیر البشر تھا اور کائنات کی ظاہری و مخفی قوتوں
میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے احکام سے سرتابی کر سکے۔
معراج شریف کو انسان کی خوابی کیفیت قرار دینے والوں
کی سستیٔ فکر اور درماندگیٔ عقل کا اس سے زیادہ کھلا ہوا ثبوت
اور کیا مل سکتا ہے کہ اہل مکہ سالہا سال سے حضورؐ کے خوابوں کی
صداقت ملاحظہ کر رہے تھے اور حضورؐ کے کسی خواب پر انہوں
نے وہ ہنگامہ بحث و جدال برپا نہیں کیا تھا جو واقعۂ معراج کی
صحت پرکھنے کے لئے معرض شہود میں لایا گیا اور اکثر لوگوں نے
بیت المقدس کی جزئیات دریافت کرنے کے لئے سوالات
کئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ ہم اس وقت تجھے سچا نبی مانیں گے
جب تو ہماری آنکھوں کے سامنے آسمانوں کی طرف پرواز کر کے

وہاں سے لکھی لکھائی اور بندھی بندھائی کتاب لا کر دکھائیے گا۔

ان نومن لك حتى تفجر لنا من الارض ینبوعا ہ او ترقی فی السماء ولن نومن لرقیك حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ (الاسریٰ)

(ہم اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم زمین سے ہمارے لئے چشمہ نہ بہادو۔

یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کو بھی ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے۔ جب تک وہاں سے ایسی کتاب اتار نہ لاؤ۔ جسے ہم پڑھ لیں)

ان قرآنی الفاظ میں معترضین کا انداز خطاب ہی یہ ظاہر کر رہا ہے کہ واقعہ معراج ان کے سامنے خواب کی بات کے طور پر بیان نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ ایک امر واقعی کی حیثیت میں پیش کیا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی انہیں کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ ہمارے دیکھتے دیکھتے آسمان پر جاؤ اور وہاں سے لکھی لکھائی کتاب لے کر آؤ۔

متذکرہ صدر آیت شریف میں کفار کی طرف سے جن معجزات کو دکھانے کا مطالبہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ سب کے سب خرقِ عادت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً دیکھتے دیکھتے زمین سے

چشمہ بہانا۔ کھجوروں اور انگوروں کا باغ اُگانا۔ نہروں کا جاری کرنا۔ آسمان کے ٹکڑے گرانا۔ فرشتوں کو بحالتِ جسدی سامنے لاکھڑا کرنا۔ سونے کا گھر بنانا۔ آسمان پہ چڑھنا اور وہاں سے کتاب اُتار لانا ؎

اِس قسم کے مطالبات کفار کی جانب سے محض ایک خواب کی حقیقت بیان کرنے کی بنا پہ نہیں کیے جا سکتے تھے۔ بلکہ محض اِس لئے کیے گئے کہ انہیں ایک محیر العقول واقعہ کی خبر دی جا رہی تھی۔ جسے وہ باور نہیں کر سکتے تھے۔ اور اسے باور کرنے کے لئے وہ دوسرے معجزات کے ظہور کے طلبگار ہو رہے تھے ؎

معراج شریف کو سپنے کی بات کہنے والے حضرات ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوِ منزلت کی شان میں سہواً یا عمداً گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ان کی اِس فکر پہ جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے ؎

معراج شریف کی صوفیانہ توجیہہ

منطقیوں اور کلامیوں کے بعد ان متصوفین کی باری آتی ہے جنہوں نے اِس واقعہ کو اپنے ناقص علم تصوف کے رنگ میں

دیکھنے کی کوشش کی ہے - یہ لوگ اس واقعۂ جلیلہ کا حصر محض واردات قلبی اور کیفیات ومشاہدات روحانی پر کرنے کے خوگر ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ معراج شریف بھی عالم کشف و مرایا کی ایک ترقی یافتہ صورت کا نام ہے جو سیر سلوک میں اکثر صوفیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم اور صلحائے بنی اسرائیل کے مشاہدہ میں آئے ۔ مراقبہ اور مجاہدہ کے بل پر سیر انفس و آفاق کرنا اور کائنات کے مختلف عوالم کے نظارے چشم قلب سے دیکھنا صوفیائے کرام کے ہاں ایک پیش پا افتادہ حقیقت ہے اور وہ سالک کو اسی راہ سے انفس و آفاق کی نیرنگیوں کی سیر کراتے ہوئے اور عالم ناسوت سے عالم ملکوت اور عالم جبروت ولاہوت کے مناظر دکھاتے ہوئے عرفانِ الٰہی کی منزل تک لے جاتے ہیں - لیکن یہ سب واردات قلبی و روحانی کیفیات سے تعلق رکھتی ہیں ۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض مکتوبات میں اِن مرایا کی تشریح کرتے ہوتے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ اس قسم کے کشف صوفی کے صفائے قلب کا نتیجہ ہوتے ہیں جو تزکیہ کی صفات سے آراستہ ہو کر ایسے آئینہ کی سی کیفیت پیدا کر لیتا ہے کہ اس میں کائنات اور اس کے مختلف عوالم کے عکس ظہور پذیر ہو

ہوتے دیکھتے ہیں۔ اگر سب کہیں حقیقت ہیں تو ہر شے کی حقیقت کو ہر
سمجھنے کی بجائے ہر جگہ جب ہو کر بیٹھ جائیں تو یہ بہت بھی ممکن ہے
جس سے انہیں نہ دیکھیں تب کسی مرشد کی راہ سے
لیکن صوفیائے کرام کے مشاہدات و مراقبات کو کسی کے واسطے بھی
معراج کی انتہا سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔ صرف شریعت کے
مینار کی چوٹی پر چڑھ دیتا ہے وہ تب اور آئینے کی روح سرسار
گنبدِ نبی کو اپنے پاؤں سے روندنا سراسر زندیقی ہے۔
قلبِ مصفا کے آئینہ میں عرش و کرسی و سدرۃ المنتہیٰ تک کے
جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن خود سدرۃ المنتہیٰ کے زرخیز
کی عنبریں و مشکیں سرزمین کو اپنے پاؤں سے روندنا
اور شے ہے۔ سرمدؔ کا شعر اسی غلط تفہیم کا اظہار کرتا
ہے اور کہتا ہے ؎

ملا گوید کہ بر فلک شد احمد
سرمد گوید کہ فلک بہ احمد بر شد

جو شخص کہتا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج
اسی سیر سلوک کی انتہائی منزل تھی جو تزکیۂ نفس اور حصولِ عرفان
الٰہی کی جد و جہد میں ہر صوفی کو پیش آتی ہے۔ وہ بھی معراج

نبوی کی حقیقت سمجھنے سے بہت دُور پڑا ہے اور معراج کو خواب قرار دینے والوں کی طرح اپنی پستی فکر اور درماندگی دانش کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اِس واقعہ کو جو حضرت ختمی مرتبت۔ سرورِ کون و مکان شاہنشہ دو جہان صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پیش آیا۔ اپنی کیفیات و مشاہدات پر قیاس کرنا ایسی عظیم الشان غلطی ہے جس کی تلافی کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں ؛

قلب و روح کی کیفیاتی حیثیت سے فنا فی اللہ کے مقام بلند تک پہنچ جانا اور عرفانِ الٰہی حاصل کر لینا ہر اس شخص کے لئے جسے مبدء فیض سے رشد و ہدایت کی نعمت ارزانی ہوئی ہے نہایت سہل سی بات ہے۔ اِس ماجرا کو جو معراج کی شب سدرۃ المنتہیٰ کے اس پار پیش آیا اور جس کی توصیف خود حضرت ربّ العزّت جلّ جلالہ نے قاب قوسین او ادنیٰ (دو کمان کا فاصلہ یا اس سے بھی کم تر) کی سرمدی مہر ثبت کر کے کی۔ اِسی کمال عرفان پر محمول کرنا جو صوفیائے عظام کا حصّہ ہے۔ پرلے درجے کی کم فہمی اور بے بصیرتی ہے۔ یہ کمال عرفان تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بعثت سے پہلے غار حرا کی تنہائیوں ہی میں حاصل ہو چکا تھا اور انکی زندگی کے اکثر لمحات اِسی سرمدی کیفیت میں گزرتے

تھے۔ جس کو صوفیا کی اصطلاح میں بقا باللہ کی منزل کہا جاتا ہے یا عالم لاہوت کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی امر پر بھی حضور سرورِ کائنات کا یہ ارشادِ گرامی شاہد و دال ہے ”لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ“ (رواہ مسلم)

(میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت خاص ہے جس میں نہ ملک مقرب میرا سہیم و شریک ہو سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل)

پھر کیا وجہ ہے کہ اسی کیفیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لفظ عروج ہی سے بیان نہیں فرمایا۔ جو معراج شریف کے واقعہ کے لئے استعمال کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کمال عرفان سے بالکل مختلف واقعہ ہے۔ جس کو سمجھنے کے لئے صوفیانہ توجیہات سے کام لینا کسی حیثیت سے بھی جائز اور صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

صوفیائے عظام جو صاحب حال و مقام ہیں اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ اولیا اللہ کے لئے بحالت جسدی کحبر العقول وقت میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچ جانا۔ آب و آتش پر چلنا اور ہوا میں پرواز کرنا ممکن ہے۔ ابدالوں کے

متعلق عام طور پر ایسے خوارق عادات کے تذکرے سننے میں آئے ہیں۔ پھر مقام تعجب ہے کہ متصوفین کا گروہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار معراج کو محض کشف کی کیفیت بیان کرے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ حضور صلعم کا بحالت جسدی ایک ہی رات میں بیت الحرام سے بیت المقدس تک چلا جانا اور افلاک کی تا بہ حدِ آخر سیر کرنا نہایت ممکن امر ہے ؂

معراج شریف کی فلسفیانہ توجیہہ

فلسفہ زدہ دماغوں کی عامیانہ توجیہہ کہ معراج شریف ایک سچے خواب و منام سے زیادہ کوئی اہمیت رکھنے والی شے نہ تھی۔ اُوپر بیان ہو چکی۔ اِس پرانے گروہ کے علاوہ عصر حاضر میں فلاسفہ کا ایک نیا گروہ پیدا ہو رہا ہے جو صوفیائے کرام کے روحانی مشاہدت اور ان کی قلبی کیفیات کو علم النفسیاتِ انسانی اور سائنس کے تازہ نظریات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا دکھائی دے رہا ہے۔ یہ لوگ جرمنی کے یہودی حکیم آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت پر اپنے استدلال کا قصر تعمیر کر کے دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کائنات میں ایک چیز کا وجود دوسری چیز

کے وجود پر حصر رکھتا ہے اور اس عالم مادی کی اکثر کیفیات بھی جن سے حضرت انسان کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان کے حواس کی موجودگی کا لازمی نتیجہ ہیں جو انسان یا حیات مطلق کو حاصل ہو چکے ہیں۔ یہ جہان جس کو ہم اس قدر وسیع، لامحدود ستاروں سے پُر۔ کواکب سے لبریز۔ نور و ظلمت سے بھرپور اور رنگوں سے معمور دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے ہی حواس خمسہ کی پیدا کی ہوئی کائنات کا نام ہے۔ یہ حواس اپنی خاصیات کے مطابق دوسرے اشیاء سے ٹکراتے ہیں تو انسان کے دل و دماغ پر ایک خاص قسم کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور یہ کیفیات مل ملا کر جہان کو انسان کے لیئے اس کی موجودہ شکل میں لا کر کھڑا کر دیتا ہے کہ اس میں فاصلہ۔ جہات اور زمان کی قید موجود ہے۔ دور و نزدیک، شرق و غرب۔ پس و پیش اور پائیں و بالا کی کیفیات انہی حواس کی پیدا کردہ ہیں۔ مادرزاد اندھے کے لئے یہ جہان ایسی کیفیت رکھتا ہے۔ جس کا ادراک صرف چار باقیماندہ حسوں سے کیا جاتا ہے۔ اس کائنات میں سیاہی و سپیدی نور و ظلمت شکل و شباہت کے امتیازات سراسر مفقود ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مادرزاد بہرے کے لئے یہ جہان اصوات سے

خالی ہے۔ اِس دلیل کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ حیات انسانی اِن پانچ کے علاوہ کوئی چھٹی حس پیدا کر لے۔ تو اُسے یہ جہان موجودہ حالت سے سراسر مختلف کیفیت میں محسوس ہونے لگے گا۔ بہت ممکن ہے کہ انسان کوئی ایسی حس پیدا کرنے پر قادر ہو جائے ۔ جو انسان کو زمان و مکان کی قیود سے آزاد کر دے یعنی انسان کائنات کو بالکل مختلف طریق سے محسوس اور درک کرنے لگ جائے جس میں زمان و مکان کی قید باقی نہ رہے ۔ دور و نزدیک اور جہات کی تمیز ماضی حال اور مستقبل کی تفریق جاتی رہے ۔ اِسی حسی کیفیت کے امکان کو وہ معراج سے تعبیر کرتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معراج بھی اِسی نئے شعور کے پیدا ہونے کی کیفیت کا نتیجہ تھی ہمارے فلسفی شاعر علاّمہ سر محمد اقبالؒ نے جاوید نامہ میں اسرار و معراج کی تشریح کے سلسلہ میں جو اشعار لکھے ۔ وہ متذکرہ صدر مطلب ہی پر دال ہیں ۔ حضرت علاّمہ فرماتے ہیں ؎

اے کہ گوئی محمل جان است تن
سترِ جاں را در نگر بر تن متن
محملے نے حالے از احوال اوست

محملش خواندن فریبِ گفتگو است

چیست جاں؟ جذب و سرور و سوز و درد
ذوقِ تسخیرِ سپہرِ گرد گرد

چیست تن؟ با رنگ و بُو خو کردن است
با مقامِ چار سُو خو کردن است

از شعور است ایں کہ گوئی نزد و دُور
چیست معراج؟ انقلاب اندر شعور

انقلاب اندر شعور از جذب و شوق
وا رہاند جذب و شوق از تحت و فوق

ایں بدن با جانِ ما انباز نیست
مشتِ خاکے مانعِ پرواز نیست

غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ علامہ ممدوح نے قلبی اور روحانی کیفیت کشف و مرایا کو جسے صوفیائے کرام سیرِ انفس و آفاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ حکیم آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کی روشنی میں سمجھنے اور بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسی کو معراج سمجھ کر کتاب جاوید نامہ کے مندرجات کے لئے دلیلِ راہ کے طور پر پیش کر دیا ہے۔ جن میں وہ اپنے قارئین کو

افلاک وماورائے افلاک کی سیر کراتے ہیں اور اپنے فکر کی بلند پرداز یوں کو اپنی معراج سے تعبیر کرتے ہیں۔ خاکسار کی رائے میں لفظ معراج کو استعمال کرنے کے بجائے اگر علامہ مرحوم اسے اپنے فکر کی سیر انفس قرار دیتے تو زیادہ موزوں تھا۔ معراج نبوی کی حقیقت اِن قیاسات سے بہت ارفع واعلیٰ ہے۔ جو کسی فلسفی کے فکر کی بلند پروازیاں سوچ سکیں۔ نئی اور نئے طریقوں سے کائنات کا درک کرنے والی حسوں کی تخلیق کے امکان سے مجھے کوئی انکار نہیں۔ لیکن محض "انقلاب شعور" کو معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول کرنا اسی قسم کی غلطی ہے جس میں متکلمین و متصوفین کے گروہ گرفتار ہو چکے ہیں۔ انقلاب شعور کی مدد سے کائنات کو بالکل دوسرے رنگ میں دیکھنا اور کسی نئی حس کی مدد سے زمان ومکان کی پابندیوں کو الگ ہٹا دینا ممکن ہے لیکن اس کیفیت کو اسراء و رویت کی قرآنی اصطلاحوں سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ جن کے صحیح معانی کسی قسم کی تاویل کے بغیر ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانے کسی شے کو برای العین مشاہدہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں سمجھے جا سکتے۔ کسی نئی چیز کی مدد سے سدرۃ المنتہیٰ، افق اعلیٰ اور جنت الماویٰ

کو درک کر لینا اور بات ہے اور حواسِ خمسہ کی موجودگی میں اِن مقامات کی سیر کرنا بالکل دوسری شے ہے۔ زمان و مکان کی قیود کے اندر رہتے ہوئے انہی حواسِ خمسہ میں سے کسی ایک کی مدد سے افلاک کی کائنات کو کنگھالا جا سکتا ہے اور اس امر کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں کہ ہم آلات کی وساطت سے ملاء اعلیٰ کے مناظر کو زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھ سکیں یا اسی کرۂ زمین پر رہتے ہوئے وہاں کی آوازیں سُن سکیں۔ لیکن اس کیفیت کو معراج یعنی اوپر جانے کی اصطلاح سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اسی وقت کیا جائے گا۔ جب انسان اپنے تمام حواس و اعضا کے ساتھ صعود کر کے کسی ستارے پر پہنچ جائے گا۔ یا اس اثیری فضا میں پرواز کرنے کے قابل بن جائے گا۔ جو کرۂ ہوائی سے پرے ساری کائنات کے خلا میں پھیلی ہوئی ہے۔

حقیقتِ معراج

منطقیوں کی دلیلیں توجیہہ پیدا کرنے سے قاصر رہ جائیں
متکلمین کے قیاسات خرِ لنگ کی طرح ٹامک ٹوئیے مارتے پھریں
متصوفین کے خیالات ایک قسم کی کیفیت سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

اور فلسفیوں کی موشگافیاں نئے نئے طریقوں کی تلاش میں سرگرداں رہیں۔ لیکن ایک مومن قانت کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہیں کہ وہ معراج نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق یہی ایمان رکھے کہ حضور نے بحالت جسدی کائنات سماوی اور ملاء اعلیٰ کی سیر کی اور بیداری کے عالم میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ آپ نے برائے العین ان آیات الٰہی کا مشاہدہ کیا۔ جو اس کائنات میں قدم قدم پر مشاہدہ کرنے والی آنکھ کا انتظار کر رہی تھیں اور بارگاہ رب العزت میں شرف یاب ہو کر قاب قوسین او ادنیٰ کا منصب حاصل کیا۔ بارگاہ رب العزت میں اسی طرح شرف یاب ہونا جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر ہوتے۔ اسی خاکدان آب وگل پر بھی ممکن تھا۔ کیونکہ وہ حقیقت کبرائے جسے خدا کہا جاتا ہے انسان کی حبل الورید سے بھی نزدیک تر ہے۔ لیکن خود پروردگار عالم کو یہ منظور تھا کہ میرا محبوب میری آیات کی بوقلمونیوں کو برای العین دیکھنے اور میری پیدا کی ہوئی کائنات کا پورا پورا معائنہ کرنے کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر مجھ سے ملاقی ہو۔ جہاں سے اُفق اعلیٰ بھی نظر آرہا تھا اور حضرت رب العزت کا جلال اس

کائنات کی حد سے آگے لامحدود پہنائیوں تک پھیلا ہوا تھا حضور نے اس جلال کا مشاہدہ پہلے افق اعلیٰ پر کیا۔ پھر وہ جلال حضور سے قریب تر ہوتا چلا آیا۔ تا آنکہ قاب قوسین او ادنیٰ کی نزدیکی تک پہنچ گیا۔ سورۂ والنجم کی ابتدائی آیات اس امر کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ عز اسمہٗ :۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝

قسم ہے تارے کی جبکہ وہ گرے۔ تمہارا صاحب نہ تو بہک گیا ہے اور نہ راستے سے پھرا ہے۔ وہ اپنی خواہش سے بھی بات نہیں کرتا۔ صرف وہی کہتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس کو سخت قوتوں والے نے تعلیم دی ہے وہ صاحب قوت ہے۔ پس پورا نظر آیا۔ وہ افق اعلیٰ پر تھا۔ پھر قریب

ہوا اور اُتر آیا۔ پس وہ اتنا نزدیک آگیا کہ گویا دو کمان کے فاصلے پر ہو یا اس سے بھی کم۔ تب اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی۔ جو کچھ کہ کی۔ اس نے اپنی آنکھ سے جو کچھ دیکھا۔ دل نے اسے نہیں جھٹلایا۔ کیا تم اس سے اس بات کے بارے میں جھگڑتے ہو جو اس نے فی الواقعہ دیکھی۔ بلاشبہ اس نے اس حقیقت کو ایک بار اور سدرۃ المنتہیٰ (آخری حد والی بیری) کے نزدیک دیکھا جس کے پاس ہی جنت الماویٰ (پناہ والی جنت) ہے۔ اس کو دیکھنے میں اسکی نظر نہ تو چندھیائی اور نہ آچک گئی۔ بلاشبہ اس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)

سورۂ والنجم کی یہ آیات بہت واضح ہیں۔ حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے افق اعلیٰ پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک کائنات کی چھپی ہوئی حقیقت کو بے نقاب دیکھا۔ اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں بچشم سر دیکھیں۔ قرآن پاک کی اس صاف۔ صریح اور تاکیدی شہادت کے بعد حضور (صلعم) کی معراج اور مشاہدۂ جمال الٰہی کے متعلق اپنی نارسا عقلوں کے مطابق قیاس آرائیوں سے کام لینا صحیح نہیں مسلمان کا کام ہے کہ اسے مان لے ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

ایک پادری کے اعتراضات کا جواب

یہ مقالہ دہلی کے ایک پادری کے اعتراضات و استفسارات کے متعلق لکھا گیا۔

"لیل" کا ذکر

"لیل کی قید" سے اگر سائل کی مراد "اسریٰ بعبدہٖ لیلاً" کے آخری لفظ سے ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ واقعۂ معراج رات کو پیش آیا تھا۔ اِس لئے لیل یعنی رات کا ذکر کیا گیا۔ دن کو پیش آتا تو دِن کا ذکر کر دیا جاتا۔ "لیلاً" یعنی "ایک رات میں"

کہنے سے ذات باری تعالیٰ کو یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ اس قدر دُور کی مسافت صرف ایک رات کے اندر اندر طے کرائی گئی ؛

"لیل" کے لفظ سے یہ نظریہ قائم کر لینا کسی طرح صحیح نہیں کہ واقعہ معراج عالم بیداری کا واقعہ نہ تھا۔ بلکہ عالم خواب کی ایک کیفیت تھی ؛

سائل کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن حکیم میں اسریٰ کے بعض مشتقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ ہجرت کے متعلق بھی متعدد مقامات پر استعمال ہوئے ہیں اور وہاں لیل کا ذکر بھی ہے سائل کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے شہر سے نکالنے اور لیجانے کا واقعہ عالم بیداری میں وقوع پذیر ہوا تھا اور اسرا کے ساتھ لیل کا ذکر آجانے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ خواب کا واقعہ تھا۔ مثال کے لئے میں سورۂ دخان کی حسب ذیل آیت پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں :۔

فاسر بعبادی لیلاً انکم متبعون (دخان ۔ رکوع ۱)

"پس میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چل کھڑا ہو۔ تحقیق تمہارا پیچھا کیا جا رہا ہے"

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور واقعۂ معراج

سائل کو معلوم ہونا چاہیئے کہ واقعۂ معراج کے متعلق جو احادیث ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت امیر معاویہؓ سے منسوب کی جا رہی ہیں۔ وہ حسب اجماع محدثین ضعیف ہیں۔

علمائے اسلام نے اِن احادیث کو حسب ذیل وجوہ کی بنا پر مسترد کر دیا ہے :-

۱- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے کسی شخص نے محمد بن اسحٰق سے یہ روایت بیان کی تھی۔ اس شخص کا نام مذکور نہیں۔ اس قسم کی گمنام روائتیں اصول حدیث کے لحاظ سے قابل قبول نہیں ؎

۲- اِس قول میں جو امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منسوب کیا جاتا ہے کہیں تو ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حضور کا جسم نہیں کھویا گیا) اور کہیں ما فقدتُ (میں نے نہیں کھویا) آیا ہے۔ معراج شریف کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ اور امّ المومنین کاشانۂ نبوت میں ہجرت کے بعد تشریف فرما ہوئی ہیں۔ لہٰذا وہ ما فقدتُ کس طرح کہہ سکتی تھیں،

ظاہر ہے کہ امّ المومنین رضؓ نے کوئی ایسی بات نہیں کہی یونہی ان سے منسوب کر دی گئی ۔

یہی حال اس دوسرے قول کا ہے ۔ جسے ابن اسحٰق سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ اور کہا جاتا ہے کہ یعقوب بن عقبہ نے ان سے یہ روایت کی تھی ۔ کہ حضرت معاویہؓ واقعہ معراج کو رویائے صادقہ کہا کرتے تھے ۔ کیونکہ یعقوب بن عقبہ نے حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ نہیں پایا تھا ۔ یہاں بھی ایک کڑی مفقود ہے جو علم الرجال و اصول حدیث کے مطابق روایت کو ضعیف اور ناقابل اعتنا بنا دیتی ہے ۔

پس ظاہر ہے کہ یہ روایتیں بھی کسی ایسے شخص کی من گھڑت ہیں جو بعد کے زمانہ میں جب متکلمین و معتزلہ کا دور دورہ تھا اور مسلمانوں کا ایک طبقہ اسرار دینی کو اپنی محدود اور درماندہ عقلوں کے مطابق سمجھنے اور سمجھانے کے مرض کا شکار ہو چلا تھا پیدا ہوا ۔ عین ممکن ہے کہ کسی ایسے شخص نے محض گرمیٔ مناظرہ کی خاطر یہ روایتیں وضع کر لی ہوں ۔

قابَ قوسین اَوْ اَدنیٰ

سائل نے اِس کیفیت کے متعلق جو حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سدرۃ المنتہیٰ پر جہاں سے افق اعلیٰ نظر آرہا تھا۔ ملاحظہ فرمائی ۔ میرے بیان سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی علمیت کا بہت کچھ اظہار کرنے کی سعی کی ہے ۔ اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ علمائے اسلام کا ایک گروہ سورہ والنّجم کی ان آیات کی وہی تفسیر کرتا ہے جو سائل نے بیان کی ہے ۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ یہ آیات حضرت جبرئیل امین کو اپنی اصلی شکل میں دیکھنے کے متعلق ہیں اور "قاب قوسین اوادنیٰ" یا ثُمَّ دَنیٰ فتدلّیٰ میں حضرت جبرئیل کے قریب آنے کی طرف اشارہ ہے لیکن فقیر کا عقیدہ یہ نہیں ۔ اگر سائل میرے مضمون کو غور سے مطالعہ کر لیتا ۔ تو اسے اِن شکوک کے جواب کے لئے اِسی میں اشارات مل جاتے ۞

حضور سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچکر جو کیفیات مشاہدہ کیں اور کائنات اور اس کے عوالم رنگارنگ کی حقیقت قطعی" کو جس طرح دیکھا ۔ اسے بیان کرنا کسی خاکی کے

بس کی بات نہیں۔ اس مشہود کو وہی بیان کر سکتا ہے جو اس کا شاہد تھا (فداہ ابی و امی) سائل کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں اسی مضمون میں اس امر کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ کائنات کی حقیقت قطعی یعنی ذات باری تعالیٰ کے لئے یہ امر غیر ممکن نہیں کہ وہ اس ارض پر یا کسی دوسرے ستارے پر یا عالم فضا میں اپنی کسی مخلوق کے سامنے بے نقاب ہو جائے۔ کیونکہ وہ تو انسان کے جبل ورید سے بھی اقرب ہے اور ہر جگہ موجود و مستور ہے اس کے لئے کسی بندے کے سامنے بے نقاب ہونا جھیل گلیلی کے کنارے یا کوہ طور کی چوٹی پر ایسا ہی آسان ہے جس طرح سدرۃ المنتہیٰ پر ہے جو اس کائنات کا آخری نقطہ ہے۔ جسے انسان اپنے حواس سے محسوس کر رہا ہے۔ یہ سوال بے معنی ہے کہ حضور سرور کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ شرف کائنات کے آخری مقام پر کیوں بخشا گیا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی طرح کسی پہاڑ کی چوٹی پر کیوں نہ دیا گیا؟ یہ خدا کی دین ہے جس کو جہاں چاہا۔ اپنے دیدار سے سرفراز فرما دیا۔

سائل شاید اس امر کا قائل ہو گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر تجلی دیکھنے اور خدا سے ہمکلام ہونے کا کوئی واقعہ پیش

آیا تھا - لہذا اسے اس امر کو قرینِ قیاس خیال کرنے میں بھی تامل نہ ہونا چاہیئے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات فلکی کی آخری سرحد پر اسی تجلّی کو واضح تر دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ۔

سائل کا یہ اعتراض بھی تکلف کا پہلو لئے ہوئے ہے ۔ کا ارشاد ربانی ماکان لبشر ان یکلم اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء کی آیت کے مفہوم سے متصادم ہے ۔ ذات باری تعالیٰ اپنے کسی بندے سے ہمکلام ہوتا ہے تو متذکرہ صدر تینوں صورتوں میں ایک نہ ایک صورت کا ہونا ضروری ہے ۔ وحی کی کیفیت جو سدرۃ المنتہٰی پر "دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ" کے بعد پیش آئی ۔ حجابات کے اُٹھ جانے کی نفی نہیں کرتی ۔ حضرت باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ اپنے بندے کی آنکھوں کے سامنے آکر بھی بذریعہ وحی ہم کلام ہو سکتے ہیں اور اس بغیر بھی وحی کر سکتے یا پردے کے پیچھے سے بول سکتے یا رسول یعنی فرشتہ بھیج کر پیغام سنا سکتے ہیں ۔ سدرۃ المنتہٰی پر حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم ذات باری تعالیٰ کو دیکھتے ہیں اور اس سے بعض پیغامات حاصل کرتے ہیں ۔ جن کے حصول کا طریقہ وہی ہو

سکتا تھا۔ جو خدا نے بیان فرما دیا ہے۔ کیونکہ کوئی بشر کائنات کی حقیقت قطعی سے متذکرہ صدر تین صورتوں کے بغیر کسی اور صورت میں ہمکلام نہیں ہو سکتا۔ وحی کی کیفیت میری اور آپ کی سمجھ سے باہر ہے۔ لہٰذا اسے رویت کی نفی کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

سائل نے لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر سے یہ استدلال کرنے کی سعی کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں مشاہدۂ جمال الٰہی نہیں کیا۔ لیکن اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ بصر اور بصر میں فرق ہے۔ یہاں پر عام ابصار مذکور ہیں اور بصارت محمدی کا عالم اور ہے۔ جس کے لئے ما زاغ البصر وما طغٰی کی آیت شاہد ہے۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اسی قسم کی کیفیت کا مشاہدہ کرتے وقت ایک اولوالعزم پیغمبر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابصار متحمل نہ ہو سکی تھیں۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں نہ جھپکیں نہ بھٹکیں۔

ابصار یعنی نظروں کا کسی چیز کو درک کر لینا۔ یعنی محیط ہو کر پا لینا دوسری شے ہے اور دیکھ لینا دوسری شے ہے۔ عام نظریں سمندر کو درک نہیں کرتیں۔ بلکہ دیکھتی ہیں۔ لہٰذا متذکرہ صد آیت

میں رویت جمال الٰہی کی نفی نہیں ہوتی۔ اِس آیت کے معنی یہ ہیں کہ انسانی نظریں ذات باری تعالیٰ کو درک نہیں کرسکتیں۔ درک کے معنی سمجھنے ہوں تو سائل کو ۶۔ ۹۰۔ ۴ + ۱۰۰ ۔ ۲۶ + ۶۱ ۔ ۶۱ نمبر والی آیات کو ایک نظر دیکھ لینا چاہیئے ٭

سائل نے مسروق صحابی کی جو روایت پیش کی ہے۔ اس کے متعلق صرف یہی عرض کر دینا کافی ہے کہ وہ روایت و درایت کے اصول پر پوری نہیں اُترتی۔ ایک طرف تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی جارہی ہے کہ واقعہ معراج رویا تھا۔ دوسری جانب ام المومنینؓ سے یہ الفاظ بھی منسوب کیئے جاتے ہیں۔ کہ حضور نے معراج میں افق اعلیٰ پر ذات باری تعالیٰ کو نہیں۔ بلکہ جبرئیل امین کو دیکھا تھا۔ ایسی حالت میں ہمیں قرآن پاک کی آیات پر حصر کرنا پڑے گا۔ اور نتائج وہیں سے استنباط کیئے جائیں گے ٭

بہرحال یہ ظاہر اور ثابت ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سیر میں آیت رب الکبریٰ دکھائی گئیں۔ ان آیات کی تفصیل کیا تھی۔ اِس میں لوگوں کو اختلاف ہو سکتا ہے اور وہ معمولی بات ہے ٭

شاید پادری صاحب یہ کہیں کہ جو حقیقت انسان کے حبل ورید سے بھی قریب تر ہے۔ اس کے افق اعلیٰ پہ اور قاب قوسین یعنی دو کمانوں کے فاصلہ پہ نظر آنے کے کیا معنی ہیں؟ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ سورج کی کرنیں ان سے نزدیک بھی ہوتی ہیں۔ لیکن دُور بھی نظر آتی ہیں۔ ایک حقیقت جو ہر جگہ مستور و محیط و موجود ہے۔ جہاں چاہے جتنے فاصلہ پہ چاہے بندے کی آنکھوں کے سامنے بے نقاب ہو سکتی ہے ؏

رؤیا کے معنی

آیت وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنۃ للناس کے لفظ رؤیا کے معنی خواب صحیح نہیں۔ رؤیا کے صحیح معنی پانے کے لئے سائل کو لغت کی کسی معتبر کتاب اور زمانہ جاہلیت کے شعرا کے کلام کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جن میں رؤیا کے معنی آنکھوں دیکھے منظر کے بھی لئے گئے ہیں۔ متنبی کہتا ہے:۔

ورؤیاك احلےٰ فی العیون من الغمض

(تیرا دیدار آنکھوں میں نیند سے بھی زیادہ شیریں ہے)

قل سبحان ربّی

پادری صاحب نے آیت قل سبحان ربی ہل کنت الا بشراً رسولاً۔ کے معانی سے یہ استنباط کرنے کی کوشش کی ہے کہ کفار نے واقعہ معراج کی خبر سن کر جب حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید معجزات طلب کئے تو اُن کے جواب میں اظہار عجز کے طور پر یہ آیت کہلوائی گئی۔ چنانچہ پادری صاحب نے لکھا ہے کہ لفظ سبحان کا استعمال کرنے سے ذات باری تعالےٰ کی تقدیس کا اظہار مقصود ہو۔ لیکن یہی لفظ ایسے مقامات پر بھی استعمال ہوا ہے۔ جہاں بعض الزامات سے ذات باری تعالیٰ کی تقدیس کا اظہار مقصود ہو۔ لیکن یہی لفظ ایسے مقامات پر بھی استعمال ہوا ہے۔ جہاں کسی محیر العقول قدرت کا اظہار مقصود ہو سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً (سورہ بنی اسرائیل) اور سبحان الذی خلق الازواج (سورۂ یٰسین) کی طرح بہت سے مقامات پر لفظ سبحان کا اطلاق ذات باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے اظہار کے لئے ہوا ہے لہٰذا قل سبحان ربی ہل کنت الا بشراً رسولاً کے معنی یہ نہیں کہ (میرا پروردگار ایسے کام نہیں کیا کرتا۔ کیا میں بشر اور رسول

نہیں ہوں) بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ (اے محمد) کہہ دے کہ میرا پروردگار پاک اور قدرت والا ہے۔ یعنی وہ تو ان تمام امور پر جن کا تم مطالبہ کر رہے ہو قادر ہے لیکن میں ان معجزوں کے باوجود جو میری ذات سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ بشر اور رسول سے زیادہ نہیں ؛

پادری صاحب جو قرآن پاک کے مطالعہ سے بے بہرہ معلوم نہیں ہوتے۔ خود دیکھ سکتے ہیں کہ لفظ سبحان اکثر مقامات پر اظہار قدرت کے لئے بھی استعمال ہوا ہے ؛

سدرۃ المنتہیٰ اور جنّت الماویٰ

پادری صاحب کو حضور سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عالم بیداری میں سیرِ افلاک کرتے ہوئے انتہائی مقام پر پہنچنے سے اتنی کد ہے کہ وہ خواہ مخواہ کھلی ہوئی باتوں کو الجھانے کی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ سدرہ کے معنی بیری کے ہیں اور بیری میں کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ لہذا عالم بالا میں کانٹوں والے درختوں کا ہونا کیا معنی ؟

پادری صاحب کے ذہن میں عالم بالا۔ افلاک و کواکب کا

نقشہ خدا جانے کیا ہے جو وہ اس قسم کی موشگافیاں کرنے لگے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ بروج کے نام خود انسانوں نے ایسے رکھے ہیں۔ جن سے عامی کو مغالطہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً دلو (ڈول) حوت (مچھلی) میزان (ترازو) وغیرہ۔ یہ نام محض انکی اس مستقل شکل کی بنا پر رکھے گئے ہیں جو انسان کو نظر آتی ہے اور علم الکواکب سے واقفیت رکھنے والے اشخاص جانتے ہیں کہ یہ برج سیاروں اور ستاروں کے ایسے مجموعوں کا نام ہے جو ہمیں یکساں حالت پر نظر آتے ہیں۔ اسی لحاظ سے اگر کواکب کے آخری مجموعے کا نام جو سب سے اوپر ہے "سدرۃ المنتہیٰ" سمجھ لیا جائے تو پادری صاحب کو کانٹے تلاش کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آسکتی ؂

اس کے علاوہ قرآن پاک نے یہ دعوٰی کہیں نہیں کیا خار دار درختوں کا وجود ارض کے سوا اور ستارے یا سیارے پر نہیں۔ البتہ اس نے یہ بتایا ہے کہ بہشت کے ایک طبقہ میں سدر مخضود و طلح منضود (کانٹے صاف کی ہوئی بیریاں اور پھل سے لدے ہوئے کیلوں کے پودے) ہونگے۔ لیجئے پادری صاحب کے کانٹے یوں بھی دور ہو گئے ؂

پادری صاحب نے جنت الماویٰ کو ارض پر بنانے اور ثابت کرنے کی بہت سعی کی ہے اور لکھا ہے کہ قرآن پاک ارض کو انسان کے لئے مستقر و مستودع (ٹھہرنے اور لوٹ کر جانے کی جگہ) قرار دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ انسان روز حشر اسی سے دوبارہ نکالا جائے گا۔ لیکن اس سے یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ بعث بعد الموت کے حساب کتاب سے فارغ ہونے کے بعد بھی نیک انسان اسی ارض پر رہیں گے۔ جنت کے طبقات کا عالم بالا میں ہونا قرآن پاک سے ثابت ہے اور یہی آیت ظاہر کرتی ہے کہ جنت الماویٰ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے۔ پادری صاحب کو چاہیئے کہ جس طرح انہوں نے ارضی کیفیات کو قرآن سے دیکھنے کی سعی کی ہے۔ اسی طرح وہ سماوی کیفیت کو اس کلام پاک سے سمجھنے کی کوشش کریں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ بہت سے اجرام فلکی جن کو قرآن پاک میں سمٰوٰت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ارضی کیفیات کے حامل ہیں اور جنت ان سے بھی پرے کے عوالم کے بعض قطعات کا نام ہے۔

پادری صاحب نے ارضی کیفیت اور انسان کے حشر و نشر کے متعلق جتنی آیات کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے ایک بھی

جنّت الماویٰ کے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہونے کی نفی نہیں کرتی البتہ ذیل کی آیات سے پادری صاحب کو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ جنّت افلاک میں ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون (الذاریات رکوع) آسمان میں تمہارے لئے رزق ہے اور وہ شے ہے جسکا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ یعنی جنّت)

وجنۃ عرضہا کعرض السماء والارض (الحدید رکوع ۳)

(اور جنّت جس کا پھیلاؤ آسمان و زمین کے برابر ہوگا)

فتحت السماء فکانت ابوابا (النباء رکوع ۱)

(اور آسمان کھول دیئے جائیں گے اور ان میں دروازے بن جائیں گے۔

افق الاعلیٰ

افق اعلیٰ کے لفظ ہی سے پادری صاحب کو یہ معلوم ہو جانا چاہیئے تھا کہ حضور سرور کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کائنات کے بلند ترین مقام پر تشریف لے گئے تھے۔ افق ادنیٰ تو وہ ہے۔ جسے میری اور پادری صاحب کی آنکھیں بھی ارض پہ ہر روز دیکھتی ہیں اور افق اعلیٰ وہ ہے جو سدرۃ المنتہیٰ یعنی کائنات کے

آخری مقام پر پہنچکر نظر آتا ہے۔ اِس نکتہ کو سمجھنے کے لئے ذرا اس کائنات کی بلندیوں اور وسعتوں کا تصور کرنے کی ضرورت ہے جسے ہم اپنے حواس خمسہ سے محسوس کرتے ہیں اور بقول فلاسفہ موجود کر لیتے ہیں۔

بشری ترقیات

پادری صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ انسان نے ابھی تک کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں کی۔ جو ایک رات میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے واپس بھی لے آئے۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان نے صاحب لولاک و معراج صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جوتیوں کے طفیل ایسی ایسی ایجادیں کر لی ہیں۔ جو سینکڑوں میل کا سفر طے کرا کے راتوں رات واپس لے آئیں پادری صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ دن نزدیک آرہا ہے جب انسان راتوں رات ہزاروں میل کا سفر طے کر کے واپس آجایا کرے گا۔ بلکہ اجرام فلکی کو کنگھالنے لگے گا۔ ان تمام ترقیات کا دروازہ نوع بشر پر اسلام نے کھولا اور ان ترقیات کا مستقبل بہت شاندار نظر آرہا ہے۔

پادری صاحب سے ایک گزارش

اخیر میں میں پادری احمد مسیح سے یہ گزارش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ حضرت! آپ کو ہمارے سید و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعالم بیداری بحالت جسدی عالم بالا کی سیر کرنے کے واقعہ سے اس قدر کد کیوں ہے؟ اگر آپ ناصرہ کے حقیقی مسیح علیہ السلام کے پیرو ہیں اور قادیاں کے بناوٹی مسیح کے خادم نہیں تو آپ کو اس امر پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ کیونکہ آپ کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح ناصری علیہ السلام مصلوب ہونے اور اپنی پسلیوں سے خون جاری کرانے کے بعد (نعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیات اعمالنا) پھر زندہ ہوئے اور بادل پر سوار ہو کر افلاک کی طرف چڑھ گئے۔ جس بات کا وجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آپ مانتے ہیں۔ اس کے امکان سے آپ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیوں منکر ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ میں آپ سے یہ گزارش بھی کروں گا۔ کہ آپ کے انداز بیان میں مناظرہ و مجادلہ کا رنگ غالب ہے اور فقیر کو ایسے کاموں اور شغلوں کی فرصت نہیں

لہٰذا اگر آپ دین اسلام کے متعلق کسی اشکال کو حل کرانے اور کسی رمز کو سمجھنے کے متمنی ہوں تو فقیر کو مخاطب کریں اور اگر محض مناظرے کر کے اظہار علمیت مراد ہو تو کوئی اور گھر تلاش کر لیں۔

واقعۂ معراجِ نبویؐ

ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلّٰی ۝ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ۔

بروں زیں گنبدِ در بستہ پیدا کردہ ام راہے
کہ از اندیشہ برتر می پرد آہِ سحرگاہے

ضعیف و مجبور انسان کا جس نے اس عالمِ خاک و آب میں آنکھ کھول کر زندگی شروع کی ہر اس کائنات کی لامحدود وسعتوں اور ہولناک پہنائیوں سے مرعوب ہو جانا ایک قدرتی اور فطری امر تھا۔ یہ کرۂ ارضی اور اس کے جوف کی موجودات اور عالمِ بالا میں آسمانوں کی لاانتہا وسعتوں تک پھیلی ہوئی نیلگوں

فضا جس کے اندر ان گنت کواکب و اجرام فلکی پیر تے ہوئے چشمِ انسان کو دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں - ایک مجبور و لاچار اور کمزور و فانی ہستی کے حواس کو دم بخود رکھنے کیلئے کافی سے زیادہ ہیبت کے سامان مہیا کر رہی ہے اور انسان ضعیف البنیان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی۔ کہ وہ ماسوائے موجودات کو مسخر کرنے کے لئے اپنی فاتحانہ یلغار کے جھنڈے کبھی اجرام فلکی اور کواکب سماوی پر بھی نصب کرنے میں کامیاب ہو جائے گا یا یہ تصور کر سکے گا کہ اس کائنات کی موجودات کو سمجھنے اور اس کی کنہ تک پہنچنے کے لئے جد و جہد کرنا بھی اس کی تخلیق کا ایک منشا اور اس کے ہست میں لائے جانے کا مدعا ہے ؂

صاحب امتیازِ معراج و مخاطب لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ صلی اللہ علیہ وسلم (بآ بائنا ہو و امہاتینا) کے ظہور قدسی سے پہلے کی نوع انسانی کی تسخیرات علمی و فنی اور ترقیات فکری و ذہنی پر ایک گہری نظر ڈال لیجئے۔ آپ کو فلسفہ یونان کی نارسائیوں اور حرمان نصیبیوں اور فکر ہندی کی تناسخ زدہ الجھنوں کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آئے گی - جو قلب انسانی میں کائنات

کی مادی قوتوں کا مقابلہ کر کے ان پر قابو حاصل کرنے کی ہمت وجرأت پیدا کرنے کی موجب ہوتی۔ اس وقت عام انسانوں کے عملی و فکری۔ روحانی و قلبی تجارب کا ماحصل اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ انسان ایک مجبور محض ہستی ہے۔ جس کو کائنات کی مادی قوتیں اپنی طبیعت کی خوش گواریوں اور برہمیوں کا بازیچہ بنائے ہوئے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں نوع انسانی سراسر بےبس اور لاچار ہے۔ بجلیاں اور ہوائیں اس کی معبود اور ستارے اس کی قسمت کے مختار تھے اور اس کے خیال کی بڑی سے بڑی بلند پروازی اس چکر کے دائرے سے باہر قدم نہیں نکال سکتی تھی۔ جو تناسخ یعنی مختلف کیفیتوں کی مسلسل زنجیر میں گرفتار ہو جانے کے عقیدہ نے پیدا کر رکھے ہیں۔

صاحب معراج علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی بعثت سے پہلے نوع انسانی کے عام زاویہ نگاہ کی کیفیت جس سے وہ کائنات اس کی موجودات اور اس کے احوال کو دیکھتا تھا۔ یہ تھی جو اُوپر بیان ہوئی۔ صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات سے جن کے لئے وہ مامور ہوئے تھے۔ نوع انسانی کے اس زاویہ نگاہ میں تبدیلی پیدا کر دی اور انسانوں کی

ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جو ما سوا۔ اللہ کو اپنے قوائے کی ممکنات مضمر کے سامنے ایچ سمجھنے لگی اور اس یقینِ کامل کے ساتھ اُٹھی کہ اس کائنات میں جن اشیاء کا ادراک انسان کو اپنے حواس کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ سب انسان کے لئے ہیں۔ سب کی سب اس کے قابو میں آنے والی ہیں۔ سب اس کی اطاعت کے جوتے اپنی گردن میں ڈالنے کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور نوع انسانی کی تسخیرات کا میدان جس قدر وسیع نظر آتا ہے۔ اسی قدر زیادہ انسان کے اندر اسے مسخر کرنے کی قدرتیں اور صلاحیتیں موجود ہیں جو لازماً بروئے کار آ کر رہیں گی صرف یہی نہیں بلکہ اس شاندار اور عدیم النظیر واقعہ سے جسے معراج کہا جاتا ہے۔ نوع انسانی کے فکر و عمل کے لئے ایک نظیر بھی قائم کر دی گئی۔ جس کو شمعِ راہ بنا کر نوعِ بشر سوچنے اور چلنے کے قابل بن جائے اور جان لے کہ اسکا مقصدِ حیات کیا ہے۔ اسے اپنی سرگرمیوں کو کس راہ پر لگانا چاہیئے۔ اور اپنے سفرِ زندگی کو کون سی سمت پر ڈالنا چاہیئے۔ اپنی تسخیرات کے دائرہ کو کس طرح اور کس حد تک وسیع کرنا چاہیئے ؎

کہا جائے گا کہ نوع بشر نے واقعۂ معراج سے روشنی لینے

کے باوجود ابھی تک اپنے مسکن ارضی کے قریب ترین جرم فلکی یعنی چاند تک بھی رسائی حاصل نہیں کی۔ حالانکہ واقعۂ معراج تو اسے کائنات کے سدرۃ المنتہیٰ تک جانے کے لئے اشارہ کر رہا ہے۔ جس کے جواب میں سردست ان ذہنی اور فکری انقلابات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو نوعِ بشر کی زندگی میں اس واقعہ کے بعد سے رونما ہو چکی ہیں۔ آج ہم چاند اور مریخ تک پہنچنے کے امکانات پر بحث کرنے لگے ہیں جس کی وجہ محض یہ ہے کہ واقعۂ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر بتا دیا تھا کہ مریخ و بطون تک تو کیا بلکہ اس سے بھی آگے جانے کے لئے انسان کو کمر ہمت باندھنی چاہیئے۔ اس واقعۂ جلیلہ نے نوعِ بشر کے ذہنی ارتقاء پر جو اثرات ڈالے ہیں۔ اُن کی تفتیش کر کے ان کی تاریخ تیار کرنا بجائے خود اتنا بڑا کام ہے کہ کسی ایک انسان کے حیطۂ امکان میں نہیں۔ صوفیائے کرام مکاشفات کے ذریعہ سے فلاسفر اور شاعر اپنے فکر کی بلند پروازیوں سے افلاک کی کائنات کو کھنگال رہے ہیں۔ سائنس وال اپنے آلات کی مدد سے دوسری دنیاؤں میں پہنچنے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔ محی الدین ابن

عربی ۔ دانتے اور اقبال اپنے اپنے رنگ میں اپنے اپنے کشف اور اپنے اپنے فکر کی بلند پروازیاں دکھا رہے ہیں۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے نظریۂ حیات میں حیرت انگیز تبدیلی رونما ہو چکی ہے لٹریچر کا رنگ ہی بدل گیا ہے اور زاویۂ نگاہ کے اس تغیر نے انسان کے علوم و فنون اور اس کے حوصلوں اور ارادوں پر وہ وہ اثرات ڈالے ہیں جو کبھی ایک جگہ بصورت تحریر و تقریر بیان نہیں کئے جا سکتے ۔

نوعِ بشر کی ترقیات اس زندگی میں اور بعثت بعد الموت میں اسی ڈگر ہی پر جاری رہیں گی ۔ موجودات عالم کا وسیع میدان اس کے قوائے عملی و فکری کے اظہار کی جولان گاہ بنا رہے گا ۔ اس کا قدم آگے بڑھتا چلا جائے گا اور حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام معراج منارہ ضیا کی طرح اور آگے کی طرف قدم بڑھانے کے لئے ابدالآباد تک نوعِ بشر کی رہنمائی کرتا رہے گا ۔ اور اس واقعہ کے صدقے میں نازل ہونے والی برکات اس کی حوصلہ افزائی کا موجب بنی رہیں گی ۔

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ اٰل سیدنا و مولانا محمد صاحب اللولاک والمعراج ۔ اللّٰھم بارک علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد و صل و سلم

تسخیرِ کون و مکاں کی بشارت

بر خود غلط لوگ جو کوئیں کے مینڈک کی طرح اپنی جہالت اور بے دانشی کی حدود کو علم و دانش کی ساری کائنات تصوّر کر لیتے ہیں۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے واقعۂ جلیلہ کو خواب رؤیا روحانی مکاشفہ قرار دینے پر مصر ہونے لگتے ہیں۔ کیوں! اس لئے کہ انکی ناقص عقل اور ان کی معلومات کی محدود کائنات واقعۂ معراج کو جس صورت میں کہ وہ بیان ہوا ہے ماننے سے انکار کر دیتی ہے ۔

وہ کہتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ نوعِ بشر کا کوئی فرد آن

واحد میں کائنات کی لامحدود وسعتوں کو طے کر کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ جائے۔ اور ماضی و مستقبل کی ساری طوالتیں بھی اس کی سیر کی اس آنِ واحد میں سمٹ سمٹا کر رہ جائیں؟ ان کی بے دانشی خواب۔ رؤیا اور مکاشفہ کو تو باور کر سکتی ہے۔ لیکن یہ نہیں مان سکتی کہ انسان کبھی اس معراج کو بھی حاصل کر سکتا ہے۔ جس کا صریح تذکرہ ہمیں خالقِ کون و مکان کی آخری کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے آخری رسول کے ارشادات میں ملتا ہے۔

مبارک تھے وہ لوگ جنہوں نے ایک بات کو سنا اور چوں و چرا کئے بغیر تسلیم کر لیا اور جو لوگ اسے تسلیم کرنے کے لئے تاویلات و قیاسات سے کام لے رہے ہیں۔ عصرِ حاضر کی علمی ترقیات انہیں خائب و خاسر کرنے کے سامان بہم پہنچا رہی ہیں۔

عصرِ حاضر کا فلسفہ کائنات و موجودات کے اس راز کو پہنچ چکا ہے کہ زمان اور وقت کی قید محض کرۂ ارضی پر بسنے والے انسانوں نے اجرامِ فلکی کی حرکات کے مقابلہ سے اخذ کی ہے۔ ورنہ بحیثیت مجموعی کائنات وقت کی قید سے آزاد

ہے۔ ماحول ارضی سے نکل جانے کے بعد روز و شب، سال و ماہ۔ ساعات و لمحات کا وہ تصوّر بھی باقی نہیں رہ سکتا جو اس ماحول کے اندر ہماری عقلوں پر حاوی اور ہمارے احساسات کے اردگرد محیط ہو رہا ہے ٭

طبیعیات میں عصرِ حاضر کی ترقیات اس آنے والے ادوار کی توقع دلا رہی ہیں۔ جب انسان کرۂ ارضی کا طواف ہشتاد ثانیہ کے اندر اندر کر سکے گا۔ حالانکہ آج سے ایک سال پیشتر ہشتاد روز میں کرۂ ارضی کے طواف کو ناممکن الوقوع سمجھا جاتا تھا ٭

صرف یہی نہیں بلکہ سائنس کے جدید نظریات اس دور کا تصور کر رہے ہیں۔ جب انسان اپنے اسی جسم کو برقرار رکھتے ہوئے قیدِ مکانی و زمانی سے آزاد ہو جائے گا۔ اور اس وقت ہر انسان کے لئے ممکن ہوگا کہ اتنے وقت میں جسے ہم زمینی حساب کے مطابق آنِ واحد کہتے ہیں۔ کائنات کے جس گوشہ میں چاہے پہنچ جائے ٭

اس کے علاوہ عہدِ حاضر کا فلسفہ اس امر کے امکان کا بھی معترف ہو گیا ہے کہ قوائے حاسہ کی تبدیلی کائنات کے

اِس تصور ہی کو تبدیل کر دے سکتی ہے۔ جو ہمارے حواس خمسہ نے ہمیں دیا ہے۔ ان جدید نظریات کے ہوتے ہوئے آج وہ کونسا دانش فروش ہے۔ جو واقعۂ معراج النبیؐ پر اس کے ناممکن الوقوع ہونے کی وجہ سے زبان اعتراض دراز کر سکے ۔

بے بصر اور کور ذوق لوگ تاویلات کے جھمیلوں میں اُلجھے رہیں گے لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ خدا نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی شفاعت پر نوعِ انسانی کی نجات مقدر ہو چکی ہے۔ معراج کے رتبہ سے سرفراز فرمایا اور ساری موجوداتِ کائنات کو مکان و زمان کی ساری وسعتوں اور پہنائیوں کے ساتھ ان کے قدموں میں ڈال دیا۔ تاکہ وہ اسرارِ مخلوقات و موجودات اور اس کے تمام عوالم کا بچشم سر ملاحظہ فرما کر نوعِ انسانی کو بشارت دے دیں کہ نجات کی ساعت قریب آگئی ہے ۔

چنانچہ نوعِ انسانی کی علمی ترقیات اس امر پر شاہد و دال ہیں کہ ساعت قریب آگئی ہے اور انسان اس حشر و نشر اور حساب و کتاب سے دوچار ہونے والا ہے۔ جس کی خبر

سرورِ دو عالم (بابانا هو امهاتنا) نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے دی تھی ۔

سبحان الذی اسری بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہٗ لنریہٗ من اٰیتنا انہٗ ھو السمیع البصیر۔

کائنات کی پہنائیاں

بڑی ہی قدرتوں والی ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے ایک بندے کو آنِ واحد میں اپنی خلق کی ہوئی کائنات کے تمام علنی اور مخفی عوالم کی سیر کرائی اور اس طریق سے نوع انسانی کو اپنی بیچارگی اور بے مائگی کے اس حوصلہ فرسا خیال سے بچا لیا۔ جو اجرام فلکیہ کی ہیبت زا پہنات اور کائنات کی حیرت افروز وسعتوں کے مقابلہ میں اس کی ہمتوں کو پست کرنے کا موجب ہو رہا تھا۔

للہ درّ ما قال ؎

رہِ یک گام ہے ہمت کے لئے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

کائنات اور اس کے عوالم کے الفاظ سن کر انسان کے ذہن میں موجوداتِ ارضی و سماوی کا ایک ایسا دھندلا سا تصور آجاتا ہے۔ جو اس کے لامحدود خیال کے اندر نہیں سماتا۔ ہر شخص اپنے مشاہدہ کے مطابق یا اس علم کے مطابق جو مختلف ذرائع سے اسے حاصل ہو چکا ہو۔ اس کائنات کا تصور اپنے ذہن میں لاتا ہے۔ لیکن سب آدم زاد اپنے اپنے تصور اور خیال کی بڑی سے بڑی بلند پروازی کو کائنات کی پہنائیوں کے آگے عاجز و درماندہ پاتے ہیں۔ اس معاملہ میں جس طرح سائنس دانوں کی وہ دوربینیں اپنی بے بسی اور درماندگی کا اعتراف کرتی نظر آتی ہے۔ اس طرح فلاسفہ کی موشگافیاں شعرا کی بلند پروازیاں اور صوفیوں کے مکاشفات اس کائنات کے کناروں کا سراغ لگانے سے اپنے عجز کا ڈھنڈورہ پیٹتے سنائی دیتے ہیں۔ ذیل میں کائنات کی وسعتوں کے متعلق ایک مختصر اور بے ربط سا بیان درج کیا جاتا ہے۔ جو دوربینوں کے مشاہدات سائنس دانوں کے نظریات اور بعض صوفیوں کے

مکاشفات کا مطالعہ کرنے کے بعد قارئین کے لئے تیار کیا گیا ہے
کرہ ارضی جس پر انسان کی جمعیتیں کوس لمن الملکی بجا رہی
ہیں۔ مختلف قسم کے عناصر کا بنا ہوا ایک بہت بڑا گولا ہے
جس کا قطر چار ہزار میل کے قریب ماپا جا چکا ہے۔ اس زمین
پر سے ہم عالم سماوی کی سیر کے لئے دوش تخیل کو اپنا سہارا
بنا کر اڑتے ہیں اور فرض کرتے ہیں کہ ہماری رفتار اتنی ہی تیز
ہے۔ جس قدر کہ آفتاب کی روشنی۔ وہاں سے چل کر ہم تک
پہنچتی ہے۔ روشنی کی کرن ایک لاکھ ۸۱ ہزار میل فی سیکنڈ
کے حساب سے کائنات کی پہنائیوں میں پھیلتی ہے۔ کوئی دو
سیکنڈ کے عرصہ میں ہم کرۂ ہوائی اور اس کے اوپر کی تیری
فضا کو چیرتے ہوئے محیط قمر میں جا پہنچتے ہیں۔ جہاں سے ہماری
زمین ہمیں آسمان کی وسیع فضاؤں میں بادل کے ایک ایسے
ٹکڑے کی طرح نظر آرہی ہے۔ جو چاند سے کسی قدر بڑا ہے
اس فضا سے چاند پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو اس کی سطح پر بڑی
ہیبت ناک شکلیں رکھنے والے غار دشت اور مردہ آتش
فشاں پہاڑوں کے دہانے دکھائی دیتے ہیں اور چاند کی سطح اسی
کی طرح معلوم دیتی ہے۔ جس طرح غبارے میں بیٹھنے والے

انسان کو زمین نظر آتی ہے ؎

ہم کسی قسم کے توقف کے بغیر حرکت کرتے ہوئے زہرہ کے پاس سے گذرتے ہیں۔ اسے آگے چل کر آفتاب عالمتاب کی نور پاش فضائیں آجاتی ہیں۔ پھر مریخ پر نگاہ ڈالتے اور اس کی نہروں اور اس کے جنگلوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے ہم مشتری کے قریب پہنچتے ہیں۔ جس کے پہاڑ بڑی شدت کے ساتھ آتش فشانی میں مشغول ہیں اور کون و فساد کا عمل بڑی تیزی و تندی کے ساتھ جاری ہے ؎

غرض اسی طرح سیر کرتے ہوئے زحل کے نواح میں پہنچتے ہیں۔ جس کے اردگرد ایک قسم کے رقیق مادہ نے حلقہ ڈال رکھا ہے۔ پھر ہم یورےنس اور نپ چون کے محیطوں میں جا پہنچتے ہیں۔ پیچھے کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو زمین ہمیں آسمان کے دوسرے ستاروں میں خلط ملط ہوئی نظر آتی ہے جسے ہم پہچان بھی نہیں سکتے۔ اجرام فلکیہ کے قریب سے ہم گذر چکے ہیں۔ مریخ۔ مشتری اور زحل ہماری زمین سے ہزار چند بڑے ہیں اور سورج کی بڑائی کا تو ہم حساب بھی نہیں کرسکتے۔ نپ چون تک پہنچنے میں روشنی کی رفتار کے

حساب سے ہمیں چار گھنٹے صرف ہوئے - اس سے آگے گذرے تو کہیں کہیں دمدار ستارے نظر آنے لگے - اور کچھ اور کرّے بھی حرکت کرتے نظر آئے - جو انہی کے تصادم سے بنے ہوتے معلوم دیتے تھے - فضا جس میں سے پرواز کرتے ہوئے ہم آئے نہایت لطیف سے ابر سے معمور نظر آئی - جو اس کائنات کی وسعتوں میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے اور جسے علم زمینی کی اصطلاح میں ایتھر یا ایثر کہتے ہیں - اس وقت تک جس فضا میں ہم نے سفر کیا - وہ ہمارے سورج کی فضا کہلاتی ہے اور یہ تمام سیارے جن کے پاس سے ہم گذرے - اسی کے گرد حرکت کرتے ہیں ؛

نظام شمسی سے گذر کر ہم اسی حساب سے پرواز کرتے کرتے ہوئے ساڑھے تین سال کی مدت میں ایک اور سورج اور اس کے نظام کے پاس سے گذرے - جس کے سامنے بیچارا سورج اور اس کا نظام کچھ حقیقت نہیں رکھتا - غرض ہم سیر کرتے ہوئے اسی طرح کے لاتعداد سورجوں اور ان کے نظاموں کے قریب سے گذرتے چلے گئے اور ہمیں محسوس ہونے لگا کہ زمین بیچاری کا تو کیا ذکر - ہمارا سارا

نظامِ شمسی اِن نظاموں کے مقابلہ میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو ایک ذرّہ ریگ کو افریقہ کے صحرائے اعظم کے مقابلہ میں حاصل ہے یا موسلا دھار بارش کے قطروں میں کسی ایک قطرہ کو میسّر ہے۔

اِسی رفتار سے دو ہزار سال سفر کرتے ہوئے ہم ایک ایسے خطّے میں پہنچے۔ جو کروڑوں ستاروں۔ سورجوں۔ کواکب اور انجم کی آبادیوں سے معمور تھا۔ تحقیقات پر معلوم ہوا۔ کہ یہی خطّہ ہمیں زمین پر سے کہکشاں بن کر دکھائی دیا کرتا ہے۔ اس سے آگے بڑھے تو ہم نے دیکھا کہ نیلگوں آسمان کے بجائے نور کی چادر محیط ہے۔ جس میں سے بڑے بڑے سورج۔ ستارے کواکب اور انجم اس طرح گر رہے ہیں۔ جس طرح زمین پر اولے گرتے ہیں یا جس طرح آتشبازی کے انار سے شرارے جھڑتے ہیں۔ اِس قسم کے حیرت انگیز نظارے دیکھتے ہوئے ہم نے اپنے تخیل کے سمند کو آگے بڑھایا تو اس سے بھی حیرت زا تر نظارے نظر آنے لگے۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ اگر ہم لاکھوں سال بلکہ ابدالآباد تک اِسی طرح آگے بڑھتے چلے جائیں۔ تو یہ سلسلہ لاانتہا ہی برابر جاری رہے گا ؎

بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا ست

اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ جس مقام سے بھی اپنے گرد و پیش نگاہ کی۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہم مرکز میں کھڑے ہیں اور باقی ساری کائنات ہمارے ارد گرد محیط ہے۔

اِس کائنات میں اس لامحدود اور وسیع کائنات میں ہماری زمین کی اور ہماری اپنی بساط کیا ہے؟ اور اس کی وسعتوں میں جیسے جیسے عوالم موجود ہیں۔ ہم ان کی نسبت کیا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کائنات کا مشاہدہ برائے العین کر چکے ہیں۔ ہمیں خبر دی ہے کہ اِسی کائنات کے کسی گوشے میں جنت اور کسی گوشے میں جہنم اپنی لامحدود وسعتوں کے ساتھ تیار ہو رہی ہے اور اسی کائنات کے کسی کونے میں انسان کے اعمال ایسے طریق سے ثبت ہو رہے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی غلطی یا فروگذاشت کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اِس کائنات میں ایسی فضائیں بھی ہیں۔ جن میں کرۂ ارضی کے ساکنین کے عکس اپنی مکمل صورت میں تیر رہے ہیں اور جہاں انسان اور حیوان کی پوری زندگی کا مطالعہ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح سینما کے پردے پر متحرک تصاویر دیکھی جاتی ہیں۔ اِسی کائنات سے پرے ایک

عالم امر بھی ہے ۔ جس میں اس کائنات کے مستقبل کے واقعات بھی اسی طرح دیکھے جا سکتے ہیں ۔ جس طرح فلم پر متحرک تصاویر کا تماشا کیا جاتا ہے ۔

انسان بے بنیان اس عظیم الشان کائنات کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے ۔ جس کی تخیل کی پرواز بھی اسی کائنات کی لامحدود وسعتوں کو نہیں ڈھونڈ سکتی ۔ پھر تم اس ہستی کے متعلق کیا کہو گے ۔ جس کے قدم کائنات کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور جس نے اس کے اونچے کناروں پر کھڑے ہو کر افق اعلیٰ اور اس کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کیا

برکاتِ سماوی کے نزول کا مہینہ

غریقِ بحرِ گناہیم مہِ صیام بیا
زفضلِ رحمتِ باری بدہ پیام بیا

آج کا ہلال اس برکتوں والے مہینہ کے نزول کی خبر لا رہا ہے جس میں کائنات ارضی و سماوی کے خالق و مالک کی قدرتوں پر ایمان رکھنے والے لوگ اپنی مرادوں کے دامن کو دنیوی و اُخروی سعادتوں کے پھولوں سے مالامال کریں گے۔ اور اپنی روزمرہ کی زندگی کو رب السمٰوات والارض کی طرف سے عائد ہونے والی پابندیوں کے سامنے

جھکا کر اپنی روحوں میں ضبط و نظم کی وہ صلاحیتیں پیدا کریں گے۔ جو کامیاب اور بامراد زندگی کے لئے بیحد ضروری ہیں اور جن کے بغیر نوع انسانی کے گروہ نہ اس دنیا میں کامیابی وکامرانی کی زندگیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ آخرت کی فوز و فلاح کے حصہ دار بن سکتے ہیں ؎

صوم و صلوٰۃ کے فلسفہ کے متعلق بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور کہا جائے گا۔ مختلف لوگوں نے خدائی پابندیوں کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا۔ ٹٹولا اور مفید پایا۔ علم الابدان کے نباضوں نے اگر روزہ کی پابندی میں بدن کے فاسد مادوں کے لئے تحریق کا ایک ایسا سامان مہیا پایا۔ جو انسان کی صحت کے لئے بے حد مفید ہے۔ تو کارزار حیات کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھنے والے بصروں نے اسے میدان جنگ کے لئے مجاہدین کو سخت کوشیوں کا سبق دینے والی ایک پریڈ سے تعبیر کیا۔ تاکہ ان میں بھوک اور پیاس کی شدتوں کا زیادہ سے زیادہ مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ روحانیت کی ترقی پر نظر رکھنے والوں نے محسوس کیا کہ روزہ کی پابندی انہیں اس شاہد حقیقی سے قریب تر کر دیتی ہے جیسے قرب من

حبل الورید ہونے کے باوجود انسان اپنی غفلت شعاریوں اور بے اعتدالیوں سے اپنے آپ سے دُور بہت دُور کر دیتا ہے غرض جس پہلو سے بھی ان خدائی احکام کی حسنات و برکات پر غور کیا گیا۔ انہیں لازوال نعمتوں سے مالامال پایا۔

نامسلم اشخاص کو اکل و شرب کی وہ پابندیاں جو مسلمان ماہِ صیام میں اپنی جانوں پر وارد کر لیتے ہیں۔ غیر ضروری۔ دو بھر اور بے نتیجہ سی نظر آتی ہیں۔ انہیں مسلسل فاقہ کشی کی داستانوں میں ندرت دکھائی دیتی ہے۔ لیکن وہ ایک معین وقت کے لئے اکل و شرب سے دست کش ہو جانے میں کسی قسم کی خوبی یا ندرت نہیں دیکھ سکتے۔ لہذا اسے فعل عبث قرار دینے لگتے ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ اسلام کا خدا اپنے بندوں پر کس قدر رحیم ہے کہ انہیں کسی روحانی یا جسمانی رتبہ کے حصول کے لئے تکلیف مالایطاق میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے۔ اس نے جس طرح ضروریات انسانی کی تکمیل و تسکین کے لئے بداعتدالیوں میں مبتلا ہونے کو فسق و فجور سے تعبیر کیا ہے۔ اسی طرح اس نے یوگ اور رہبانیت یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتوں

کے دروازے اپنے پر بند کر لینے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اسلام
کا خدا خواہاں ہے کہ انسان اِس زندگی کو ہر شعبہ میں ایسے
ضبط و نظم کے ساتھ بسر کرے کہ کسی حال میں بھی جادۂ اعتدال
سے اِدھر یا اُدھر نہ ہونے پائے۔ اسلام اس امر کو بھی پسند نہیں
کرتا کہ انسان تمام قیود کو بالائے طاق رکھ کر اندھا دھند اپنی
خواہشات کی تسکین کے لئے اِس طرح درپے ہو جائے۔ کہ
اس میں اور حیوان میں کسی قسم کا امتیاز باقی نہ رہے۔ نہ وہ
یہ چاہتا ہے کہ مسلمان رہبانیت کی زندگی بسر کر کے اللہ کی
نعمتوں سے متمتع حاصل کرنے کا معاملہ اپنے اُوپر حرام کر لیں
وہ پاسبانِ عقل کو ہر وقت دل کے پاس رکھنا چاہتا ہے
اور نوعِ انسانی کو زندگی کی ایسی شاہراہ دکھاتا ہے۔ جو
آخری فوز و فلاح کی طرف لے جاتی ہے۔ لہٰذا اس نے
مسلمانوں کے لئے ایک مہینہ ایسا مقرر کر دیا جس میں وہ
خدائی احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے ان بے اعتدالیوں
کے اثرات سیئہ کو زائل کرنے کی اسعی کرتے ہیں۔ جن میں وہ
سال بھر کے دوران میں کسی وقت غفلت۔ کوتاہی یا پاسبان
عقل کی علیحدگی کے باعث مبتلا ہو چکے ہیں۔ رمضان کا مہینہ

رضاکارانہ عسکری نظام کے اس مہینہ کی مانند ہے جس میں فوجی رضاکار گیارہ مہینے اپنے دوسرے کاموں میں مصروف رہنے کے بعد ایک مہینہ کیمپ کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہاں یہ پابندی اس لئے ہے کہ رضاکار فوجی قواعد کی تجدید کرلیں۔ یہاں کی پابندی اِس لئے کہ مسلمان اپنی روحانی اور جسمانی سیرتوں کو پختہ بنالیں اور مہینہ بھر کی اِس پابندی سے اپنی سیرتوں کو اسی معیار کے قریب تر لانے کی کوشش کریں۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں دیکھنے کا آرزومند ہے۔

مہینہ بھر کی منظم زندگی کی برکات کو کچھ وہی لوگ محسوس کرسکتے ہیں۔ جو اِن تمام پابندیوں کو اپنے اُوپر وارد کرلیتے ہیں۔ جن کے اختیار کرنے کا حکم انہیں دیا گیا ہے۔ روزہ صرف اکل و شرب کی ساعتوں میں تبدیلی پیدا کرنے کا نام نہیں بلکہ ہر لحظہ چوکس ہوکر ہر قسم کی مکروہات سے بچے رہنے کا نام ہے۔ روزہ کے دوران میں ان حلال و طیّب اشیا سے بھی اپنی طبیعت کو روکنا پڑتا ہے۔ جن سے تمتع حاصل کرنے کی ویسے ہر وقت اجازت ہے۔ قصہ مختصر روزہ کا مقصد اوّلیں

یہ ہے کہ انسان اپنی ان عادتوں کا غلام نہ بننے پائے جنہیں زندگی گزارنے کے لئے اختیار کرنے پر وہ مجبور ہے۔ بلکہ حوائج کی تکمیل کے معاملہ کو وہ اسی حد تک محدود رکھنے کا فن سیکھے جس حد تک کہ وہ ایک اچھی اور ستھری زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔ اسی صفت کو خدائے پاک نے تقویٰ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہی تقویٰ سیرت کی اس بلندی کا نام ہے۔ جس تک پہنچنے کے لئے نمازیں اور روزے اور دیگر پابندیاں مسلمان کی ممد ہوتی ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ کی طرف سے آنے والی سختیوں کو سختیاں نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کی رحمت خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ انہی میں انسان کے لئے ایسی بھلائیاں مضمر ہوتی ہیں۔ جن تک انسان کی عقل و فکر کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی ٭

اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ

ہلالِ عید کرۂ ارضی کے ربعِ مسکوں و ما بقائے غیر مسکوں کے کلمہ گویانِ توحیدِ حضرت باری تعالےٰ عزاسمہٗ وجل جلالہٗ اور حلقہ بگوشانِ ارادتِ حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلی آلہٖ الف الف تحیاۃ والسلام (با بائنا ہو وامہاتنا) پر مسرت وبہجت حقیقی کے انوار بکھیرتا ہوا فلک اول پر مصروف خرام ہے عالم علوی کے ملائک خاک نشینوں کے علو مرتبت پر خوشیاں مناتے ہوئے رحمت خداوندی کے پھول برسا رہے ہیں کیونکہ رب العزت والجلال کے لاکھوں اور کروڑوں بندے اس

کی رحمت کاملہ کے دربار سے رضائے کامل کے پروانے حاصل کر چکے ہیں - وہی جنہوں نے ماہِ صیام میں خدا کی بنائی ہوئی حدود کا احترام کیا - اس لئے احترام کیا کہ انکا پروردگار اپنے بندوں کی اطاعت گزاری سے خوش ہو اور ان پر اپنی رحمت و مغفرت کے خزانوں کے باب وا کر دے ۔

ہلالِ عید - عید سعید کا پیغام لے کر آیا - راقم الحروف کی روح کے کان ان توپوں کی دندناہٹ سُن رہے ہیں جو آج ہلال عید کی رونمائی کی خوشی میں انقرہ - طہران - کابل - ام القریٰ - ریاض - قاہرہ - حیدر آباد اور دیگر بلاد اسلامیہ میں سَر کی جا رہی ہیں - اِن طیاروں کی مسرّت آفرین گڑگڑاہٹ کے تسمع سے میرا دل بلیوں اچھل رہا ہے - جو دول اسلامیہ کے مراکز میں بادلوں کی فضاؤں کے اُوپر پرواز کر کے اسلامی آبادیوں پر عید کی مبارکبادیں برسا رہے ہیں - میرا وجدان رشک کھا کھا کر اپنے بھائیوں کی سعادت مندیوں پر امن و سلامتی کے لاکھوں پیغام بھیج رہا ہے جو آزاد ہیں اور عید کی تقریب کامل اسلامی آزادی کے ساتھ منا رہے ہیں ۔

ترک نے کہا - میری عیدیں توپوں کی گرج - طیاروں کی گونج - مشین گنوں اور لوئیس گنوں کی گڑگڑاہٹ - گولیوں کی بارش اور تلواروں کی جھنکار کے درمیان آتی اور گذر جاتی ہیں - میری خوشی یہی ہے کہ دنیائے اسلام کی سرحد پہ چاؤنش بن کر پہرہ دیتا رہوں - دشمن کے خون سے کھیلوں اور اپنا خون اسلام کی خاطر بہاؤں - میں نے کہا - تو مبارک ہے - تیری تلوار بھی مبارک ہے - عیدیں تیرے لئے فتح و نصرت کے پیغام لے کر آئیں اور خدائے ذوالجلال تیرے اور اسلام کے دشمنوں کو دونوں جہانوں میں خائب و خاسر رکھے ۔

ایرانی بولا - "میں ترک کا بھائی اور اسکا دست راست بنوں گا -

عرب نے کہا - میں خانہ کعبہ میں جاکر اپنے ترک اور ایرانی بھائیوں کی خوشی میں شامل ہونے کے لئے دعا کروں گا -

افغان نے کہا - میں ان تمام رکاوٹوں کو راستہ سے دور کر دوں گا - جو میرے اور میرے آزاد اسلامی بھائیوں کے مابین حائل ہو گئی ہیں -

البانوی مسلمان نے کہا کہ ہم ترک ہیں اور ترک کی عیدیں رائگاں نہیں جایا کرتیں ۔

ہندوستان ۔ جاوا ۔ فلپائن ۔ چین ۔ ترکستان ۔ قفقاز ۔ آذربائیجان ۔ یوکرین ۔ رومانیہ ۔ بلغاریہ ۔ یوگوسلاویہ ۔ مصر ۔ شام ۔ فلسطین ۔ طرابلس ۔ سوڈان ۔ ٹیونس ۔ الجزائر ۔ مراقش ۔ صحرائے اعظم ۔ مشرقی اور جنوبی افریقہ امریکہ اور جزائر بحری کے مسلمانوں نے کہا ۔ ہلال عید ہم نے بھی دیکھا ہے ۔ لیکن عید کی حقیقی مسرت ہمیں حاصل نہیں ۔ ہم محکوم ہیں ۔ ہم میں سے بہت سے لوگ ایمان و اسلام کی اولین شرط کو بھی خیرباد کہہ چکے ہیں نہ ہماری دنیا ٹھیک ہے نہ ہمارا دین درست ہے ۔ نمازیں ہم بھی پڑھتے ہیں ۔ روزے بھی رکھتے ہیں ۔ دعائیں بھی مانگتے ہیں ۔ لیکن ہماری عبادتوں ۔ طاعت گذاریوں کو قبولیت کی سند نہیں ملتی راقم الحروف نے اشک آلود نگاہوں سے دیکھا اور جواب دیا ۔ کہ خدا ہماری اور آپ کی حالت پر رحم کرے ۔ ہمارے اور ہمارے آباء واجداد کے گناہوں کی سیاہی اپنے ابر کرم سے دھو ڈالے ۔ سب کی مشکلات دُور کرے اور سب

کو اپنے انعام و اکرام سے نوازے - تم سب پر سلامتی ہو خدا اچھی اور مبارک تر عیدیں لائے ۔

پنجاب کے مرزائی نے کہا - کہ میں بھی عید منا رہا ہوں میں نے جواب دیا کہ اُن لوگوں پر سلامتی ہو - جو دینِ حق کی پیروی کرتے ہیں - خدا تجھے ہدایت بخشے - پھر میں خضوع و خشوع سے بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو گیا - اور میں نے صمیمیت قلب سے دعا کی -

اللّٰھُمَّ الّف بین قلوب المؤمنین

پھر میں نے سارے کرۂ ارضی پر اور آسمانوں پر اور آسمانوں سے اوپر نگاہ ڈال کر یہ شعر پڑھا ؎

به آں گروه که از ساغر وفا مستند
ز ما سلام رسانید هر کجا هستند

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد ؁

مسلکِ ابراہیمی

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(۱)

آج روئے زمین کے مسلمان خدا کی راہ میں جانوروں کی قربانیاں دے کر اس مردِ باخدا کے مسلک کو زندہ کر رہے ہیں جس نے ظلمت زارِ عالم میں اس وقت خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عظمت کا ڈنکا بجایا۔ جب نوعِ انسانی گمراہی کی شکار ہو کر ماسوا اللہ کی پرستش کی اسیر ہو چکی تھی۔ اس مردِ باخدا نے جس کا نام ابراہیمؑ اور لقب خلیل اللہ

ہے۔ بُت شکنی کی پاداش میں آگ کی چتا میں جلنا قبول کرلیا یہ خدا کے عشق کی راہ میں اس کا پہلا قدم تھا کہ وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اپنی جان عزیز کو خالق حقیقی کے نام کی عزّت کے لئے قربان کرنے پہ آمادہ ہو گیا۔

خدا نے آگ کو گلزار بنا کر اُسے بچا لیا تو دوسری قربانی اُسے ملک و وطن سے ہجرت کر جانے کی شکل میں دینی پڑی۔

غریب الوطنی میں اُسے اور بہت سی مشکلات پیش ہیں۔ جن سب کو اس نے اسی پروردگار کی خاطر جس کا وہ دوست بن چکا تھا۔ بطیب خاطر برداشت کیا۔

اسی راہ میں اس کا آخری امتحان اپنے اکلوتے لختِ جگر کی قربانی کی صورت میں ہوا۔ وہ اس میں بھی پورا اترا اور اس نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو قربانگاہ پہ حاضر کر دیا۔ جس پر اُسے رضائے الٰہی کا وہ بلند مقام حاصل ہو گیا۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے :-

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(مولانا روم)

در رضائش مرضیِ حق گم شود این سخن کے باور مردم شود

(علامہ اقبال)

اس کے بعد ابراہیم خلیل اللہ کا مسلک نوع انسانی کی روحانی ترقی اور نجات کا ذریعہ قرار پاگیا ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ سمجھ لے ۔ کہ اس کی اپنی ہستی اس ہستی کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی جو موجودات عالم کا خالق و مالک ہے اور انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی جان ۔ مال ۔ اولاد اور ہر مَا یُرغِبُ بِہٖ کو اس کی راہ میں قربان کر دے ۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی مسلمانوں کو اسی مسلک کی یاد دلاتی ہے تاکہ وہ ہر سال جانوروں کو ذبح کر کے اپنی روحوں میں تقویٰ پیدا کریں اور یہ ایک معلوم مسئلہ ہے کہ خدا کو قربانی کے جانوروں کے گوشت ۔ خون اور کھال کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اس صمیمیت قلب کی قدر کرتا ہے جس کے ساتھ جان و مال کی یہ قربانی کی جاتی ہے اور اسی کا نام تقویٰ ہے ۔

مسلمانو! غور کرو کہ مسلک ابراہیمی کے حصول کی راہ میں تمہارا اقدام کیا ہے اور آیا دنیا و مافیہا میں کوئی ایسی شئے تو نہیں جو تمہیں خدا سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو اور جس کے خدا کی راہ میں قربان کرنے پر تمہارے دلوں میں

تائل اور ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو جانے کا احتمال ہو۔

(۲)

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

آج خدائے ذوالجلال کی تکبیر کے غلغلے چار دانگ عالم سے بلند ہو کر کائنات ارضی و سماوی کی شش جہات کو اپنے پُر خلوص کیف نیاز مندی سے معمور کر رہے ہیں اور آسمانوں کے فرشتے "سفک دما" کرنے والے یعنی خدا کی راہ میں خون گرانے والے ارضی باشندوں پر خدائے انعام کی برکتوں کے پھول برسا رہے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ نوع انسانی کی ایک جمعیت اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنا تن من دھن لے کر حاضر ہو چکی ہے اور جانوں اور مالوں کے اس ظاہری اتلاف کو اپنے لئے عین سعادت سمجھتی ہے کیونکہ یہ "اتلاف" خدا کی راہ میں کیا جا رہا ہے اور خدا کی راہ میں دی ہوئی قربانیاں عابد و معبود کے درمیان ایسا قرب پیدا کر رہی ہیں جس نے انسان کو فی الواقعہ خلافت الٰہی کا مستحق بنا دیا ہے اور وہ وقت قریب آ رہا ہے

جب خدائے لایزال ذی عزت و ذی جبروت کی بڑی خوشنودی کا تاج خدائے پاک کی اس مخلوق کے سر پر رکھا جائے گا۔ جس کی ابتدا ماء وطین سے ہوئی تھی ؁

آج قربانی کی عید ہے جو خدائے واحد کے پرستاروں کو اس اول المسلمین کی بے لوث زندگی کی یاد دلا رہی ہے جس نے خدائے واحد و لاشریک کی راہ میں اس وقت تسلیم و رضائے کامل کے شیوہ کی نظیر قائم کی۔ جب سارا کرۂ ارضی بتوں کی پرستش سے معمور ہو رہا تھا اور انسان کی گردنیں ستاروں اور پتھر کے ٹکڑوں کے سامنے جھک رہی تھیں ؁

آج حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسلک پر چلنے والے چار دانگ عالم میں خوشیاں منا رہے ہیں۔ اس لئے کہ خدائے لایزال نے اپنے بندے کی وہ حیرت انگیز قربانی قبول فرما لی تھی جو لخت جگر اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کی صورت میں اس کے حضور میں پیش کی گئی - ابراہیم کی ملت کے افراد ساڑھے تیرہ سو سال سے چار ہزار سال پیشتر گزرنے والے اس واقعۂ عظیم کی یاد

حج بیت اللہ اور قربانی کی شکل میں تازہ کرتے ہیں اور تاقیام قیامت تازہ کرتے رہیں گے۔ کیا رضائے الٰہی کے حصول اور شیوۂ تسلیم کامل کی قبولیت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کوئی مل سکتا ہے۔ کیا انسانوں کی کوئی جمعیت خدا کی راہ میں سر تسلیم خم کر دینے کی کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس آلِ ابراہیمؑ اور دوسری ملل کا فرق ظاہر ہے اور کوئی وجہ نہیں۔ مسلک ابراہیمیؑ پر صدق دل سے چلنے والے لوگ ان خدائی انعامات سے محروم رہیں۔ جن کا وعدہ انہیں دیا گیا ہے۔

ہم حرم کعبہ میں ننگے سر ہو کر لبیک لبیک کی صدائیں لگانے والے۔ خدا کی راہ میں قربانیاں دینے والے۔ اپنی روحوں۔ جانوں جسموں اور مالوں کو اس معبود حقیقی کو کلی طور پر تفویض کر دینے والے پرستاران توحید رب العزت پہ درود اور سلام بھیجتے ہیں۔ جن کی روحوں کا ذرہ ذرہ آج کے دن عملی طور پہ صدائیں بلند کر رہا ہے۔ ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔ (بیشک میری نماز میرا طریقہ میری زندگی۔ میری موت جہان اور دنیاؤں کے پروردگار خدائے (واحد) کے لیے ہے)

حضرت حسین علیہ السلام

تو نالی از خلۂ خار و تنگری کہ سپہر
سر حسینؑ علیؑ بر سناں بگرداند

آج محرم الحرام کی دسویں تاریخ ہے اور کائنات کی فضائیں "یا حسینؑ" کے الم آفریں صداؤں سے گونج رہی ہیں۔
پروردگار عالم نے اپنے جن بندوں کی جانیں بان لھم الجنۃ کی نوید سنا کر اپنے لئے محفوظ و مختص کر رکھی ہیں ان میں کا ایک گروہ کربلا کے اس شہید کی یاد ماتم و شیون۔ نالہ و فریاد اور آہ و بکا کے خارجی مظاہر کے ساتھ دیوانہ وار

تازہ کر رہا ہے اور اِسی ملّت برگزیدہ کا دوسرا گروہ باطنی رنج و کرب کے احساسات شدیدہ کے ساتھ عرش و فرش کے معنوی عوالم میں تلاطم برپا کرنے کا موجب بن رہا ہے۔

آج ہر فرد مومن کی آنکھوں کے سامنے نوع انسانی کے اِس اہم ترین المیہ کا نقشہ پھر رہا ہے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے کنارِ فرات کی تپتی ہوئی ریت پر جگر گوشۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی شہ رگ کے خون سے لکھا تھا۔

دین اسلام نوع انسانی کے لیئے حریت و آزادی کا پیغام لے کر آیا۔ اس نے ہر فرد بشر کو یہ مژدہ سنایا کہ کسی انسان کو دوسرے انسان پر ناجائز دباؤ ڈالنے یا اس سے ناروا فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل نہیں۔ ملکی۔ ملّی۔ دنیوی۔ انتظامات کے لئے اسلام کے خدا نے اپنے بندوں کو امرھم شوریٰ بینہم کا سرمدی اصول سکھا کر یہ آئین مقرر کر دیا۔ کہ آج سے تم پر رومی قیصریت اور عجمی کسرابیت کے نقش قدم پر چلنا حرام کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت کے انسانوں کی زندگیاں ابھی اسلام کے اس فلسفۂ امر کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو سکی تھیں۔ اِس لئے خدائی نمونہ کا دنیوی انتظام

جسے خلافت راشدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ صرف دو قرن چل سکا۔ اس کے بعد تو مسلموں کے عجمی اثرات نے خلافتِ اسلامیہ کو ایسی سلطنت اور ملوکیت میں تبدیل کر دیا جو رومی قیصریت اور ایرانی کسرائیت کی قائم مقام بنی۔ ازلبس کہ یہ ملوکیت بھی اسلام ہی کے نام پر قائم کی جارہی تھی۔ اور استبداد کے دیو نے مومنوں کا لباس پہن کر نوعِ انسانی کو مبتلائے آلام بنانا شروع کر دیا تھا۔ اس لیئے خدائی اصول ایک درخشاں قربانی کا خواستگار بن کر سامنے آیا اور وہ قرآنی داعیٔ اسلام (با آبائنا و امہاتنا) کے نواسے اور خلیفہ چہارم حضرت حیدر کرارؓ کے بیٹے نے اپنا سر اور اپنی شہ رگ کا خون دے کر پیش کی ۔

اگر اسلام کی تاریخ کربلا کے اس حادثۂ خونین سے خالی ہوتی تو شاید جبر و استبداد۔ ملوکیت۔ آمریت۔ سلطانی دیری شاہنشہی و آقائی بھی ایک دینی اقتضا کی حیثیت کر لیتی اور غلامی و محکومی رنج بری و مظلومی کو لوگ ایک مقدس مذہبی فرض خیال کرنے لگتے۔ جس طرح مصر و ہند۔ بابل و نینوا کی قدیم اقوام کے اسلوبِ زندگی میں یہ بات بدرجۂ اتم داخل ہو چکی

تھی۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی اس امر کو لازمۂ دین سمجھا جاتا اور دنیا علم المعیشت وعلم المعاشرت کے معیار کی ان بلندیوں سے یکسر محروم رہ جاتی۔ جو آج تیرہ سو سال سے نوع انسانی کے افکار کو روشن کر رہی ہیں ؀

اجتماعیات میں امام حسین علیہ السّلام کی شہادت اسی ایک وجہ سے درجہ اول کی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کی بدولت امت مسلمہ کی نظروں میں جبر و استبداد کا آمرانہ اقتدار ہمیشہ کے لئے مذموم ومقہور اور ملعون ومنفور ہوگیا۔ ورنہ جابر سلطانوں۔ غیر شرعی طریق سے مسلط ہونے والے فرمانرواؤں اور جمہور کے حقوق شہریت کو پامال کرنے والے آمروں کو ظل اللہ ظاہر کرنے والے لوگ تو ہر دور میں موجود رہے اور آج بھی ایسے خود فراموشوں اور خودی فروشوں کی کمی نہیں ؀

انفرادیات میں حضرت امام کی قائم کردہ مثال سیرت انسانی کے اس ارفع واعلیٰ مقام کی ایک عملی تفسیر ہے جس تک پہنچنے کے لئے دین اسلام ہر مسلمان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ حق وصداقت۔ دین۔ شریعت غرائے مصطفوی اور اصول صحیح کے لئے کوہ وقار ثبات قدمی کے ساتھ سینہ سپر رہنا

عداوت و لبغض۔ مخالفت و طغیان اور جبر و جور کی بے پناہ قوتوں سے عین بے سرو سامانی کی حالت میں ٹکرا جانا۔ کلمۃ اللہ کے اعلاء کے لئے انتہائی جد و جہد سے کام لینا اور آخری دم تک مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے مردوں کی طرح سر کٹا دینا اعلیٰ سیرت انسانی کی وہ درخشندہ نظیر ہے جو اسلام کے نام لیواؤں میں شمع ہدیٰ کا کام دے رہی ہے ؏

آج بھی مسلمانوں کو اجتماعی اور انفرادی دونوں حیثیتوں سے جبر و استبداد کی قوتوں کا سامنا ہے۔ لیکن کتنے مسلمان ہیں جو سید الشہدا کے واقعات کو اپنا رہنما بنا کر اسلام کی معاند قوتوں اور اپنی ذات کے متحارب عناصر کو جو ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں للکار کر مقابلہ کی دعوت دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور ثابت قدمی کے ساتھ زمانہ کی کج روشی کے ساتھ لڑنے، اس پر غلبہ حاصل کرنے یا لڑتے لڑتے مردوں کی طرح جان دینے کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں ؏

امام حسین علیہ السلام کی یاد منانے والوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے دِلوں سے متذکرہ صدر سوال کا جواب پوچھیں اور سوچیں۔ کہ آیا حضرت امام کی زندگی سے سبق

حاصل کرنے والا انسان کبھی مصائب و آلام کے ہجوم سے ہراسان و پریشان بھی ہو سکتا ہے یا نہیں حسینؑ کی زندگی مسلمان کو یہ درس دے رہی ہے کہ

ہمت از حق خواہ و با گردوں ستیز
آبروئے ملت بیضا مریز

طوفانِ نوح کے متعلق تین بیانات

طوفانِ نوح نوعِ انسانی کے ابتدائی دور کا ایک ایسا اہم واقعہ ہے۔ جسے مردرِ امتدادِ زمانہ کی فراموش کاریاں انسان کے دل سے محو کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ آج بیسویں صدی مسیحی کا انسان اپنی گفتگو میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔ جس طرح ولادت مسیح سے قبل کی بیسویں صدی کے لوگ اسے یاد کر کے اپنے افکار و احساس کے لئے تازیانہ عبرت بنایا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نوعِ انسانی کی عالمگیر تباہی کی یہ داستان ابتدائی زمانہ کے

انسانوں یعنی نوح علیہ السلام اور ان کے رفقا کی اولاد نے اپنی روایات میں مختلف طریقوں سے محفوظ رکھی اور نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی چلی آئی۔ تا آنکہ بنی اسرائیل کے آسمانی صحیفوں میں اس کا تذکرہ درج ہو کر مذہبی حیثیت سے محفوظ ہو گیا عصر حاضر کے انسانوں کے افکار اس واقعہ کے متعلق بیانات سے متاثر ہوئے جو بائبل یعنی یہودیوں کی کتاب مقدس کے عہد نامہ عتیق کے ابتدائی صحیفہ یعنی کتاب پیدائش میں مذکور ہوئے ہیں تا آنکہ اُنیسویں صدی مسیحی کے اواخر میں نوع انسانی کے تمدن کے اولین گہوارہ یعنی بابل (عراق عرب) کے کھنڈروں کی کھدائی سے پتھر سے ایسی الواح دستیاب ہو گئیں۔ جن پر کھدے ہوئے گیتوں میں عہد عتیق کے اس واقعہ کا تذکرہ موجود تھا۔ آج ہم قارئین کی ضیافت طبع کے لئے یہ تینوں بیانات جو کلدانیوں کی الواح۔ بائبل اور قرآن پاک میں مذکور ہوئے ہیں قلمبند کرتے ہیں :۔

کلدانیوں کی الواح کا بیان

بابل کے کلدانی کھنڈروں سے جو الواح دستیاب ہوئی

ہیں اس میں بھی اس کا ذکر زمانۂ قدیم میں گذرنے والے ایک حادثہ کے طور پر کیا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کو نظم کر کے گیتوں کی شکل میں لانے اور پتھر کی الواح پر ثبت کرنے کا کام واقعہ کے ظہور سے کئی صدیاں بعد معرض وجود میں آیا تھا۔ عتیقات کی تحقیقات کرنے والے اشخاص اس امر پر متفق ہیں کہ کلدانیوں کے جس عہد کی تاریخ کے متعلق عراق عرب کے کھنڈروں سے سنگی الواح دستیاب ہوئی ہیں۔ گیت اس سے بہت پہلے زمانے کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان گیتوں میں بابلیوں۔ کلدانیوں اور اشوریوں کے بڑے دیوتا مردوخ کا تذکرہ نہیں پایا جاتا۔ جو ان کے اس زمانۂ عروج کے خیالات کی تخلیق ہے۔ جس کے کھنڈر مل رہے ہیں۔ اِن گیتوں کے معرض وجود میں آنے کی تاریخ اگر دو ہزار سال قبل مسیح سمجھی جائے۔ تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ جس ہیرو کا حال اِن گیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس سے کئی سو سال پہلے گذر چکا ہے۔ کیونکہ اس کا ذکر پرانے زمانے کے دیوتاؤں کے ساتھ کیا گیا ہے اور اس ہیرو کے قصتہ میں طوفان نوح کے متعلق جو تذکرہ آیا ہے۔ وہ ظاہر

کرتا ہے کہ طوفان مذکور اس ہیرو کی زندگی سے بھی ایک طویل زمانہ پہلے آچکا تھا۔ سنگی الواح پر دستیاب ہونے والی یہ نظم ہندوؤں کے رامائن اور مہابھارت کی طرح ایک ہیرو گلگامیش نامی کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ جس میں اس کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں۔ ہم اس موقع پر اس کی زندگی کے دوسرے واقعات پر سے سرسری طور سے گذر جائیں گے۔ لکھا ہے کہ گلگامیش یا گلگامیس وادیٔ دجلہ کے ایک شہر اورک کا بادشاہ تھا جسے اس نے بڑے معرکہ اور ایک طویل محاصرہ کے بعد سر کیا تھا۔ اورک کے اردگرد سات فصیلیں بنی ہوئی تھیں۔ گلگامیش اپنے عہد کا بڑا قاہر و جابر حاکم تھا۔ اس نے اورک کے مشرق میں واقع ہونے والی سلطنت ایلم کے حاکم کھُم بابا سے جنگ کی اور اس کا قلعہ فتح کر لیا۔ پھر اس نے ایک دیوی کے سانڈ سے جنگ کر کے اُسے مارا۔ جو اس کی شجاعت پر فدا ہو کر اس کی عاشق ہو گئی تھی۔ اس نے شیروں چیتوں اور جنگلی جانوروں سے جنگ کر کے انہیں فنا کے گھاٹ پار اُتارا۔ لیکن جب اس کا ستارہ اپنے عروج کے نصف النہار پر

چمک رہا تھا - اس کا ایک رفیق جنگ ابیانی مر گیا - اس موت نے اس کے دل پر بہت اثر کیا اور وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہونے لگا - دیوی کی بد دعا کے باعث جسے اس نے ناراض کر لیا تھا - وہ ایک تکلیف دہ مرض نہانی میں مبتلا ہو گیا اور اپنے انجام کے متعلق ہر وقت فکر مند رہنے لگا - اپنے مرض کا علاج کرانے کے لئے اس نے دور و نزدیک ہر جگہ کوشش کی اور آخر کار اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اس شخص کی تلاش میں نکلوں گا جو دور دراز کی سرزمین میں رہتا ہے اور زندگیٔ جاوید حاصل کر چکا ہے - چنانچہ وہ سفر کی منزلیں طے کرتا - خطرات سے دوچار ہوتا - شیروں اور جنگلی جانوروں سے لڑتا بھڑتا کوہستان ماشو میں پہنچا - جہاں کے باشندے نیم عقرب نیم انسان کی صورت کے تھے - کوہستان کی ملکہ شبتیم اسے اگلے راستہ کے خطرات سے ڈراتی ہے اور کہتی ہے کہ اس زندہ جاوید شخص یعنی پارسنا پشتیم تک پہنچنے کے لئے تمہیں موت کے سمندر سے گذرنا ہوگا - بہت سی رد و کد کے بعد شبتیم اسے پارسنا پشتیم کے ملاح سے ملاتی ہے اور ملاح اسے منزل مقصود کی طرف لے جانے کے

لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دونوں کشتی پر سوار ہو کر موت کے سمندر سے گذرتے ہیں۔ جس کا خطرناک حصہ صرف چند قدم کی مسافت رکھتا ہے۔ لیکن پانی وہاں اتنے زور کا ہے کہ گذرنا مشکل ہے۔ آخر ڈیڑھ ماہ کے بحری سفر کے بعد وہ پارناپیشتم کے حضور میں پہنچتے ہیں۔ پارناپیشتم اس کے مرض کا علاج کر دیتا ہے اور اسے آبِ حیات کے چشمہ کا راستہ بھی بتا دیتا ہے۔ لیکن گلگامیش جونہی اس چشمہ کے پانی کے اندر اُگی ہوئی نبات کو باہر نکالتا ہے۔ ایک غیر مرئی ہاتھ وہ بوٹی اس سے چھین لے جاتا ہے۔

اس قصہ میں پارناپیشتم نے گلگامیش سے اپنے زندہ جاوید ہونے کا حال بیان کرتے ہوئے طوفانِ نوح کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

"فرات کے کنارے ایک شہر شوریپک نامی آباد تھا جس کے باشندے بہت شریر ہو گئے تھے۔ لہٰذا آسمان کے تمام دیوتاؤں آنو۔ بعل۔ نیب۔ انیوگی اور ریانغ سب نے فیصلہ کیا کہ ان لوگوں پر بارش کا طوفان بھیجا جائے اور ان کے گھروں کو جو مٹی اور پھوس کے بنے ہوئے تھے برباد

کر دیا جائے"

پرناپیشتم نے کہا کہ یاع دیوتا نے مجھے خواب میں آکر حکم دیا کہ "اے شوریپک کے باشندے تو اپنے بچاؤ کی تدبیر کر۔ ایک کشتی بنا اور اس میں ہر قسم کے جانوروں کو لاد۔ اپنے مال و منال کی پرواہ نہ کر۔ صرف اپنی جانوں کی فکر کر اگر شہر کے باشندے کشتی بنانے کی وجہ دریافت کریں۔ تو اُن سے کہہ دے کہ خشکی کا دیوتا بعل مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔ لہذا میں خشکی پر نہیں رہونگا۔ میں سمندر میں چلا جاؤں گا۔ جہاں پر یاع کی فرمان فرمائی ہے۔ شہر کے لوگوں کو خبر کر دے کہ ایک طوفان آنے والا ہے۔ جس میں انسان حیوان اور پرندے سب تباہ ہو جائیں گے"

پرناپیشتم نے کہا کہ یاع کا یہ حکم سُن کر میں نے چھ منزلوں کی ایک کشتی بنائی۔ جس کے سات حصے تھے اور اندر سے میں نے اس کے نو خانے بنائے۔ ہر چیز مکمل کر لینے کے بعد اس پر میں نے سارا سامان لادا۔ جب وقت موعود جو یاع نے مجھے بتایا تھا۔ آپہنچا تو میں نے زمین کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس میں تمام جانداروں کو لے کر سوار ہو گیا۔

اس کشتی کو کھینے کے لئے "پزر شادو ربی" کو مقرر کیا۔
پو پھٹنے کے ساتھ ہی زمین سے کالے کالے بادل اُٹھے
جن سے "ادد" یعنی رعد کی گرج سنائی دے رہی تھی
"شلات" اور "حنیش" آگے آگے تھے - یہ تباہی کے نوید
پہنچا گئے - "انوناکی" دیوتا نے اپنی مشعلیں روشن کیں
جن سے ساری کائنات چمک اٹھی تھی - "رمان" دیوتا کی
آندھیاں آسمان کو جھاڑو دے رہی تھیں ساری دنیا
تیرہ و تار ہو گئی - بھائی نے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ سب
کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی - دیوتا جو آسمانوں میں بیٹھے تھے
وہ بھی اس طوفان کو دیکھ کر سہم گئے - اور سب کے سب
بھاگ کر رب الارباب "آنو" کے پاس چلے گئے - اور
آسمانوں کے ایک گوشہ میں دبک کر بیٹھ گئے ۔

"ایشتر" دیوی نے انسان کی بربادی کو دیکھ کر نوحہ
کیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی کہ میں نے کیوں دیوتاؤں
کے اس مشورہ میں شامل ہو کر مخلوقات کی تباہی منظور کر
لی۔ گویا میں نے اپنی ہی مخلوق کو تباہ کرانے کی ہامی بھر لی۔ جو
کچھ میں نے خلق کیا تھا وہ کہاں گیا۔ اب وہ سب کا سب

سمندر کی مچھلیوں کی طرح سمندر کے پانی میں تیرنے لگے۔ سارا
جہان کیچڑ مٹی کا ڈھیر بن گیا ۔

آسمان کے تمام دیوتا اس کے ساتھ مل کر انسان
کی بربادی پر نوحہ کرنے لگے۔ وہ رنج کے مارے اپنے
ہونٹ کاٹ رہے تھے۔ ساری مخلوق کی بدبختی پر آنسو گراتے
تھے۔ طوفان تھمنے میں نہ آتا تھا اور دیوتاؤں کے بس سے
باہر ہو گیا تھا۔ پورے چھ دن اور چھ راتیں باد و باراں کے
طوفان کا زور رہا۔ ساتویں دن طوفان میں کسی قدر اعتدال
آیا جو چھ دن سے برابر حملہ آور فوج کی طرح بربادی پھیلا رہا تھا
سمندر تھم گیا اور بارش بند ہو گئی ۔

میں نے کشتی کے روزن سے سر نکال کر ایک بحرِ بیکراں پر
نگاہ دوڑائی۔ میری آنکھیں اشک آلود تھیں کیونکہ نوعِ انسانی
تباہ ہو چکی تھی۔ جس طرف میں نظر دوڑاتا تھا۔ پانی کے سوا
کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ میں رویا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں
کی جھڑی بندھ گئی ۔

پوری بارہ ڈبل ساعتوں کے بعد اس سمندر میں ایک
جزیرہ پیدا ہوا اور کشتی کوہ نصیر کی چوٹی پر جا لگی اور چھ دن

اسی حال میں گذر گئے ۔ ساتویں دن میں نے ایک فاختہ کو باہر بھیجا ۔ جو اِدھر اُدھر پرواز کرنے کے بعد واپس آگئی ۔ کیونکہ اُسے بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ ملی ۔ اس کے بعد میں نے ایک ابابیل کو باہر اُڑایا ۔ وہ بھی واپس آگئی ۔ پھر میں نے کوّے کو بھیجا جو اِدھر اُدھر کا حال دیکھنے کے بعد نہایت احتیاط سے کیچڑ میں جا بیٹھا ۔ کیونکہ پانی اُتر چکا تھا ۔ کوّا واپس نہ آیا ۔

پھر میں بھی باہر نکلا اور میں نے پہاڑ کی چوٹی پر عود اور لوبان جلائے ۔ قربانی دی ۔ دیوتاؤں نے اس خوشبو کو سونگھا اور وہ سب مکھیوں کی طرح قربانی کے گرد جمع ہونے لگے ۔

"الیشتر" نے اپنے باپ کی دی ہوئی مالا کی قسم کھا کر کہا کہ میں کبھی اس خوفناک تباہی کو فراموش نہیں کروں گی ۔ اس قربانی پر سارے دیوتا آجائیں ۔ لیکن لعل نہ آئے ۔ کیونکہ اس نے دوسروں کے مشورہ کے بغیر نوع انسانی کو تباہی کے منہ میں ڈال دیا اور ان پر بارش کا طوفان بھیجا ۔ بعل بھی آگیا اور کشتی کو دیکھ کر سخت برافروختہ ہوا ۔ اس نے کہا اس تباہی سے بچنے والا کون ہے ؟ میں نے تو سارے

انسانوں اور حیوانوں کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا -

غرض دیوتاؤں کی مجلس میں یہ راز کھلا - کہ یاع دیوتا نے پارناپیشتم کو خواب میں طوفان آنے کی خبر دے دی تھی - اور کشتی بنانے کی تاکید کی تھی - بعل - یاع سے جواب طلب کرتا ہے تو یاع اس سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نوع بشر کو کامل تباہی کی سزا نہیں دینی چاہیئے - بلکہ اس کے گناہوں کی سزا دینے کے لئے وبائیں بھیجی جائیں - شیر چھوڑے جائیں - قحط لایا جائے - لیکن ایسا تباہی خیز طوفان کبھی نہ لایا جائے ۔

یاع کی تقریر سے بعل کا غصّہ فرو ہوا تو اس نے مجھے یعنی (پرناپیشتم) کو اور میری بیوی کو زندگی جاوید بخش دی اور ہمارے رہنے کے لئے یہ جگہ مقرر کر دی" ۔

بابلی الواح کے متذکرہ صدر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں گلگامیش کی یہ داستان نظم کی گئی ! اس وقت طوفان نوح کے واقعہ کا چرچا ابھی تک عام تھا اور اس کے ساتھ ہی آب حیات کے چشمہ اور خضر اور سکندر کی ملاقات

کی جو داستانیں بعد کے زمانوں میں مشہور ہوئیں - وہ بھی بابلیوں میں عام طور پر مذکور تھیں - اگر یارناپیشتم کو جس کی زبانی طوفانِ نوح کی داستان بیان کی گئی ہے - وہ شخصیت فرض کرلیا جائے جو بعد کے زمانہ کی روایات میں چشمۂ آبحیات سے پانی پینے والے سمندروں کے حکمران حضرت خضر علیہ السلام کے نام سے موسوم ہوئی تو بابلی الواح کے بیان کی کیفیت میں حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ صرف اسی قدر پایا جاتا ہے کہ خضر نے کشتی بنانے کے بعد اس کا چارج "پوزورشادورالو" نامی ایک شخص کو دے دیا تھا - اس بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس زمانہ میں یہ واقعہ نظم کیا گیا بابلیوں میں دیوتاؤں کی پرستش زوروں پر تھی - کیونکہ اس نظم کی شاعری کا سارا زور دیوتاؤں کے تصرفات بیان کرنے پر ختم کر دیا گیا ہے اور طوفان لانے کی ذمہ داری بعل پر اور پرناپیشتم اور پوزدرشادورالو کو بچانے کی ذمہ داری یاع پر ڈالی گئی - لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ یاع کے پرستار خدائے واحد کے پرستار تھے - اور بعل کے پجاریوں سے محض اس لئے بیزار تھے کہ انہوں نے بتوں کی پرستش کو اپنا شعار

بنا لیا تھا۔

اسرائیلی صحیفہ پیدائش کا بیان

کتاب پیدائش میں طوفان نوح کا واقعہ ذیل کے الفاظ میں مذکور ہوا ہے :-

اور خدا نے نوح سے کہا کہ تمام بشر کا خاتمہ میرے سامنے آ پہنچا ہے۔ کیونکہ ان کے سبب سے زمین ظلم سے بھر گئی۔ سو دیکھ میں زمین سمیت انکو ہلاک کر دوں گا۔ تو گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی اپنے لئے بنا۔ اس کشتی میں کوٹھڑیاں تیار کرنا اور اس کے اندر اور باہر رال لگانا اور ایسا کرنا کہ کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ۔ اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ ہو . . . اور دیکھ میں خود زمین پر پانی کا طوفان لانے والا ہوں تاکہ ہر بشر کو جس میں زندگی کا دم ہے دُنیا سے ہلاک کر ڈالوں اور سب جو زمین پر ہیں۔ مر جائیں گے۔ پر تیرے ساتھ میں اپنا عہد قائم رکھوں گا۔ . . . . . .

نوح کی عمر کا چھ سواں سال تھا کہ اس کے

دوسرے مہینے کی ٹھیک سترھویں تاریخ کو بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر بارش ہوتی رہی۔ اسی روز نوح اور نوح کے بیٹے سم اور حام اور یافث اور نوح کی بیوی اور اس کے بیٹوں کی تینوں بیویاں اور ہر قسم کے جانور اور ہر قسم کے چوپایہ اور ہر قسم کا زمین پر کا رینگنے والا جاندار اور ہر قسم کا پرندہ اور ہر قسم کی چڑیا یہ سب کشتی میں داخل ہوئے۔ اور جو زندگی کا دم رکھتے ہیں۔ ان میں سے دو دو کشتی میں نوح کے پاس آئے۔ وہ جیسا خدا نے اُسے حکم دیا تھا۔ سب جانوروں کے نر و مادہ تھے۔ تب خداوند نے اُسے باہر سے بند کر دیا اور چالیس دن تک زمین پر طوفان رہا اور پانی بڑھا اور اس نے کشتی کو اُوپر اُٹھا لیا۔ سو کشتی زمین پر سے اُٹھ گئی اور پانی زمین پر چڑھتا ہی گیا۔ اور بہت بڑھا اور کشتی پانی کے اوپر تیرتی رہی اور پانی زمین پر بہت ہی زیادہ چڑھا اور سب اُونچے پہاڑ جو دنیا میں ہیں چھپ گئے پانی ان سے پندرہ ہاتھ اور اوپر چڑھا اور پہاڑ ڈوب

گئے اور سب جانور جو زمین پر چلتے تھے - پرندے اور چوپائے اور جنگلی جانور اور زمین پر کے سب رینگنے والے جاندار اور سب آدمی مر گئے اور خشکی کے سب جاندار جن کے نتھنوں میں میں زندگی کا دم تھا - مر گئے بلکہ ہر جاندار شئے جو روئے زمین پر تھی مر مٹی - کیا انسان کیا حیوان کیا رینگنے والا جاندار کیا ہوا کا پرندہ یہ سب کے سب زمین پر سے مر مٹے - فقط ایک نوح باقی بچا یا وہ جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے اور پانی زمین پر پر ایک سو پچاس دن تک چڑھتا رہا ۔

پھر خدا نے نوحؑ کو اور کل جانداروں اور کل چوپایوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے یاد کیا اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی رُک گیا اور سمندر کے سوتے اور آسمان کے دریچے بند کئے گئے اور آسمان سے جو بارش ہو رہی تھی - تھم گئی اور پانی زمین پر سے گھٹتے گھٹتے ایک سو پچاس دن میں کم ہوا اور ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو کشتی ارارات کے پہاڑوں پر ٹک گئی اور پانی دسویں مہینے تک برابر گھٹتا گیا اور دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں ۔

اور چالیس دن کے بعد یوں ہوا کہ نوح نے کشتی کی کھڑکی جو اس نے بنائی تھی۔ کھولی اور اس نے ایک کوّے کو اُڑا دیا۔ وہ نکلا اور جب تک کہ زمین پر سے پانی سوکھ نہ گیا۔ اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ پھر اس نے ایک کبوتری اپنے پاس سے اڑا دی۔ تاکہ دیکھے کہ زمین پر پانی گھٹا کہ نہیں۔ پر کبوتری نے پنجہ ٹیکنے کی جگہ نہ پائی اور اس کے پاس کشتی میں لوٹ آئی۔ کیونکہ تمام روئے زمین پر پانی تھا۔ تب اس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے لے لیا اور اپنے پاس کشتی میں رکھا اور سات دِن ٹھہر کر اس نے اس کبوتری کو پھر کشتی سے اڑا دیا اور وہ کبوتری شام کے وقت اس کے پاس لوٹ آئی۔ اور دیکھا تو زیتون کی ایک تازہ پتی اس کی چونچ میں تھی۔ تب نوح نے معلوم کیا کہ پانی زمین پر سے کم ہو گیا۔ تب وہ سات دِن اور ٹھہرا۔ اس کے بعد پھر اس کبوتری کو اڑایا۔ پر وہ اس کے پاس پھر کبھی نہ لوٹی ۔

اور چھ سو برس کے پہلے مہینے کی پہلی تاریخ کو یوں ہوا۔ کہ زمین پر سے پانی سوکھ گیا اور نوح نے کشتی کی چھت کھولی اور دیکھا کہ زمین کی سطح سوکھ گئی ہے اور دوسرے مہینے کی

۲۷ ویں تاریخ کو زمین بالکل سوکھ گئی ۔

تب خدا نے نوح سے کہا کہ کشتی سے باہر نکل آ۔ تو اور تیرے ساتھ تیری بیوی اور تیرے بیٹے اور تیرے بیٹوں کی بیویاں اور ان جانداروں کو بھی باہر نکال لا جو تیرے ساتھ ہیں کیا پرندے اور کیا چوپائے۔ کیا زمین کے رینگنے والے جانور۔ تاکہ وہ زمین پر کثرت سے بچے دیں اور بارور ہوں اور زمین پر بڑھ جائیں۔ تب نوح اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ باہر نکلا۔ اور سب جانور سب رینگنے والے جاندار۔ سب پرندے اور سب جو زمین پر چلتے ہیں۔ اپنی اپنی جنس کے ساتھ کشتی سے نکل گئے ۔

تب نوح نے خداوند کے لئے ایک مذبح بنایا اور اور سب پاک چوپایوں اور پاک پرندوں میں سے تھوڑے سے لے کر اس مذبح پر سوختنی قربانیاں چڑھائیں اور خداوند نے ان کی راحت انگیز خوشبو لی۔ اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے سبب سے میں پھر کبھی زمین پر لعنت نہیں بھیجوں گا۔ کیونکہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے برا ہے۔ اور نہ پھر سب جانداروں کو جیسا کہ اب کیا ہے

ماروں گا - بلکہ جب تک زمین قائم ہے - بیج بونا اور فصل کاٹنا - سردی اور تپش - گرمی اور جاڑا - دن اور رات موقوف نہ ہوں گے

اور خدا نے نوح اور اس کے بیٹوں سے کہا - دیکھو میں خود تم سے اور تمہارے بعد تمہاری نسل سے اور سب جانداروں سے جو تمہارے ساتھ ہیں - کیا پرندے کیا چوپائے کیا زمین کے جانور یعنی زمین کے اِن سب جانوروں کے بارے میں جو کشتی سے اترے - عہد کرتا ہوں میں اس عہد کو تمہارے ساتھ قائم رکھوں گا کہ سب جاندار طوفان کے پانی سے پھر ہلاک نہ ہوں گے اور نہ کبھی زمین کو تباہ کرنے کے لئے پھر طوفان آئے گا - اور خدا نے کہا کہ جو عہد میں اپنے اور تمہارے درمیان اور سب جانداروں کے درمیان جو تمہارے ساتھ ہیں - پشت در پشت ہمیشہ کے لئے کرتا ہوں - اس کا نشان یہ ہے کہ میں اپنی کمان کو بادل میں رکھتا ہوں - وہ میرے اور زمین کے درمیان عہد کا نشان ہوگی - اور ایسا ہوگا - جب میں زمین پر بادل لاؤں گا - تو میری کمان بادل میں دکھائی دے گی اور میں

اپنے عہد کو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے یاد کرونگا
اور تمام جانداروں کی ہلاکت کے لئے پانی کا طوفان پھر نہ
ہوگا اور کمان بادل میں ہوگی اور میں اس پر نگاہ کرونگا۔
تاکہ اس ابدی عہد کو یاد کروں ۔ جو خدا کے اور زمین
پر سب طرح کے جاندار کے درمیان ہے۔ پس خدا نے نوح
سے کہا کہ اس عہد کا نشان ہے جو میں اپنے اور زمین کے
کل جانداروں کے درمیان قائم کرتا ہوں ؎

قرآن کریم کی شہادت

نوع بشر پر نازل ہونے والی اس مصیبت کبریٰ کے متعلق
قرآن کریم میں جو ہمارے نزدیک ایزد برتر و توانا کا کلام ہے
متعدد مقامات پر تذکرہ پایا جاتا ہے۔ لیکن قرآن پاک نے
اس واقعہ کا ذکر بابلیوں کی الواح یا اسرائیلیوں کی کتاب
پیدائش کی طرح ایک قصہ کے بیان کی طرح نہیں کیا۔ بلکہ
اس کے ظہور کے روحانی اسباب و علل اور اس واقعہ سے
حاصل ہونے والے نتائج و عبر کی طرف زیادہ توجہ دلاتی ہے

اور نوع انسانی کو خدائے واحد کی عبادت کا درس دینے کے سلسلے میں اقوام وملل گذشتہ کے جن اہم واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں ایک یہ بھی ہے۔ از بس کہ قرآن پاک کا تذکرہ کسی سابقہ لوح یا کتاب کے بیان سے ماخوذ نہیں بلکہ براہِ راست خدائے ذوالجلال نے وحی اور رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ ہمیں بتایا ہے لہذا ہمارے نزدیک وہ سب سے زیادہ معتبر ہے۔ اس مضمون میں ہم صرف سورۂ ہود کی ان آیات کا ترجمہ درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جن میں اس واقعہ کا ذکر دوسرے مقامات کی نسبت زیادہ وضاحت سے موجود ہے۔ ذات باری تعالیٰ عز اسمہٗ ارشاد فرماتے ہیں :-

"البتہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا (جس نے اپنی قوم سے کہا) کہ میں تمہارے لئے ایک صاف اور واضح ڈرانے والا بن کر آیا ہوں (اور کہتا ہوں) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ (اگر تم نے بتوں کی پرستش سے ہاتھ نہ اٹھایا) تو تم پر یوم الیم (تکلیف کے دن) کا عذاب نازل ہوگا (یہ سن کر)

(اس کی قوم کے ان سرداروں نے جو کافر ہو چکے تھے کہا کہ ہم تجھے یہی دیکھتے ہیں کہ تو بھی ہمارے جیسا ایک انسان ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تیری پیروی کرنے والے لوگ ہمارے کمینہ اور رذیل سطحی سی رائے رکھنے والے اشخاص کے سوا اور کوئی نہیں۔ ہم تم لوگوں سے اپنے مقابلہ میں کسی قسم کی فضیلت نہیں دیکھتے۔ بلکہ ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ نوح نے کہا۔ اے میری قوم کیا تم دیکھتے ہو۔ کہ میں اپنے پروردگار سے ملی ہوئی واضح برہان پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنی خاص رحمت سے نوازا اور تمہاری آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ تو کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم اس نعمت کو زبردستی تمہارے گلے چپیک دیں گے۔ حالانکہ تم اسے برا سمجھ رہے ہو۔ اے میری قوم! جو کچھ تمہاری بھلائی کے لیئے تم سے کہہ رہا ہوں، اس پر تم سے مال لینے کا خواہاں نہیں۔ کیونکہ میرا اجر تو اللہ ہی پر بس ہے۔ میں ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے ہیں (اور جنہیں تم رذیل اور کمینے سمجھتے ہو) اپنے پاس سے دھتکارنے والا نہیں۔ کیونکہ (میں جانتا ہوں کہ) وہ اپنے پروردگار سے ضرور مل کر

رہیں گے (یعنی انتہائی ترقی سے فائز المرام ہوں گے) لیکن میں تمہیں ایسی قوم دیکھ رہا ہوں جو نہیں جانتی اور نہیں سمجھتی اے میری قوم! اگر میں ان لوگوں کو دھتکار دوں تو اللہ کے سامنے (جب وہ مجھ سے باز پرس کرے گا) میری مدد کون کر سکے گا۔ کیا تم (اس نکتہ کو) نہیں سوچتے۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں۔ جو لوگ تمہاری نظروں میں ذلیل ہیں۔ اللہ ان سے بھلائی نہیں کریگا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے (اگر میں ایسی باتیں کہوں تو) میں بھی ظالموں میں سے ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا۔ اے نوحؑ! تو ہم سے بحث کر چکا اور ہماری بحثیں بہت طول پکڑ چکی ہیں۔ لہٰذا اگر تو اپنے دعوؤں میں سچا ہے تو ہم پر وہ عذاب لے کر آ جس کا تو وعدہ کر رہا ہے۔ نوحؑ نے جواب دیا کہ اگر اللہ نے چاہا تو وہ عذاب بھی تم پر نازل ہو جائیگا تم (ایسے تیس مار خان نہیں ہو۔ کہ) اللہ کو عاجز کر کے شکست دے سکو۔ اگر اللہ کو یہی منظور ہے کہ تم گمراہ ہو کر مرو۔ تو

تمہیں میری نصیحت فائدہ نہیں دے سکتی - خواہ میں کتنی ہی کوشش کروں - وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے - کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ نوح جھوٹ بول رہا ہے (اے نوح) ان سے کہہ دے کہ اگر میں افترا باندھ رہا ہوں تو اس گناہ کا وبال میری گردن پر ہے - لیکن میں ان گناہوں سے بری ہوں - جن کا ارتکاب تم کر رہے ہو - پس نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم کے جو لوگ ایمان لا چکے لا چکے - اور کوئی ایمان نہیں لائے گا - لہذا تو ان کے افعال و اعمال پر رنجیدہ خاطر نہ ہو - اور ہماری وحی کے مطابق ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا لے اور ان لوگوں کے بارہ میں جو ظلم و عدوان کے مرتکب ہیں مجھ سے بات نہ کر - وہ لازمی طور پر ڈوب کر رہیں گے - پس نوح کشتی بنانے لگا - اس کی قوم کا جو سردار بھی اس کے پاس سے گزرتا - اس سے تمسخر کرتا - نوح نے کہا کہ آج تم مجھ پر ہنس لو - کل میں تم پر اسی طرح ہنسوں گا - جس طرح تم ہنس رہے ہو - جلد ہی تمہیں اس تمسخر کا نتیجہ معلوم ہو جائیگا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے (اس دنیا میں بھی) ذلیل

کرتا ہے اور اس پر دائمی عذاب بھی حلال ہو جاتا ہے (تمسخر اور جواب کا یہ سلسلہ جاری رہا) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آن پہنچا اور تنور نے جوش مارا (اس سے فوارہ پھوٹ نکلا) تو ہم نے (نوح سے) کہا کہ کشتی میں ہر قسم کے جانوروں کا جوڑا سوار کر لے اور اپنے گھر والوں کو بھی ان لوگوں کے سوا جن پر (ہلاکت کی بات) وارد ہو چکی اور ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے۔ کشتی میں بٹھالو۔ لیکن نوحؑ کے ساتھ پناہ لینے والے بہت تھوڑے تھے۔ نوحؑ نے کہا کہ بسم اللہ مجریہا و مرسہا کہہ کر (اس کے چلتے اور ٹھہرتے وقت اللہ کا نام لے کر اس میں سوار ہو جاؤ۔ تحقیق میرا پروردگار بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ کشتی انہیں پہاڑوں کی طرح بلند ہونے والی موجوں میں لئے جا رہی تھی۔ کہ نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی۔ جو کشتی سے الگ رہ گیا تھا۔ کہ اے بیٹا۔ ہمارے ساتھ کشتی پر سوار ہو جا۔ اور کافروں میں سے نہ بن۔ اس نے جواب دیا کہ (مجھے تمہاری خدائی کشتی کی پروا نہیں) میں پہاڑ پر چڑھ کر پناہ لوں گا۔ جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا کہ آج کے دن اللہ کے اس امر سے بچانے والا کوئی نہیں۔ مگر وہی

جس پر اللہ رحم کرے - یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ان دونوں کے مابین ایک موج حائل ہو گئی اور وہ (نوح کا بیٹا) بھی غرق ہونے والوں میں جاملا۔

پھر حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان کھل جا اور پانی اُتر گیا - خدا کا امر پورا ہو گیا کشتی جودی پہاڑ پر آکر ٹکی اور حکم ہوا کہ ظلم کرنے والی قوم پر لعنت! اپنے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھ کر نوح نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے - اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تو احکم الحاکمین ہے (اسے بچالے) خدا نے کہا - اے نوح! وہ تیرے اہل میں سے نہیں - وہ غیر صالح عمل کرنے والا ہے - پھر جس بات کے متعلق تجھے علم نہیں - اس کا سوال مجھ سے مت کر - میں تجھے جاہلوں میں شامل ہونے سے ڈراتا ہوں - نوح نے کہا - اے میرے پروردگار! میں ایسی بات کے متعلق سوال کرنے سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں - اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا - تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا - کہا گیا - اے نوح - ہماری طرف سے سلامتی لے کر (کشتی سے)

اُتر اور ان برکتوں کے ساتھ اُتر۔ جو تجھ پر اور تیرے ساتھیوں سے جو قومیں پیدا ہوں گی۔ ان پر نازل کی جائیں گی۔ مگر تیری (تیری اور تیرے ساتھیوں کی اولاد سے) ایسی قومیں بھی پیدا ہوں گی۔ جن کو ہم دنیوی زندگی کا مزا لینے دیں گے۔ پھر ان پر ہماری طرف سے دردناک عذاب نازل ہو گا۔

(اے محمدؐ) یہ غیب کی باتیں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کے ذریعے بھیجتے ہیں۔ تُو اور تیری قوم کے لوگ ان سے پہلے ان امور سے آگاہ نہ تھے۔ پس صبر کے ساتھ اپنا کام کئے جا۔ بے شک انجام تقویٰ والوں ہی کا اچھا ہوا کرتا ہے۔"

حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کی ملاقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں یعنی نعمتِ نبوّت و رسالت سے بہرہ ور ہونے کے وقت سے پہلے جب عرفانِ الٰہی کی راہ میں جذب و سلوک کی منزلیں طے کر رہے تھے تو ایک عارف باللہ کی تلاش میں نکلے۔ جن سے مجمع البحرین کے مقام پر حضرت موسیٰؑ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے راہِ حق میں کسب فیض کرنے کی التماس کی تو جواب ملا۔ کہ آپ میرے ساتھ صبر و تحمل سے گذارا نہیں کر سکیں گے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ

وعدہ کیا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر کسی امر کے متعلق استفسار نہیں کرونگا۔ اِس شرط پر اللہ کے اس بندے نے جسے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت خضر علیہ السلام کا نام دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ ہم سفر ہونے کی اجازت دے دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام رہ گیر جادۂ سلوک ہو گئے ؂

اِس سفر کے دوران میں حضرت خضر علیہ السلام نے تین ایسے کام کئے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سطحی علم کے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے اور جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خلاف عقل۔ خلاف شرع اور خلاف معمول عامہ سمجھتے ہوئے حضرت خضرؑ کو ٹوکا۔ حضرت خضر کے وہ تین کام جن پر موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا۔ حسب ذیل تھے :-

۱ - ایک غریب ملاح کی کشتی میں جس میں دونوں نے بیٹھ کر دریا کو عبور کیا تھا۔ سوراخ کر کے اسے عیب دار بنا دیا ؂

۲ - ایک لڑکے کو بظاہر بدون استحقاق جان سے مار ڈالا ؂

۳ - ایک گرتی ہوئی دیوار کو مزدلئے بغیر بنادیا ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب طے شدہ شرط کے مطابق صبر نہ ہوسکا اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے اِن تینوں محیر العقول کاموں کی وجہ دریافت کی۔ تو حضرت خضرؑ نے ذیل کے قرآنی الفاظ میں اپنے افعال کی تشریح فرمائی

اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَکَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَکَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَکَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ج فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ق صلے رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝

ترجمہ - وہ جو کشتی تھی - غریب لوگوں کی تھی - جو دریا میں محنت کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گذارہ کرتے تھے - اور ان کے

سامنے کی طرف ایک بادشاہ تھا۔ جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (تاکہ وہ اسے غصب نہ کر سکے) اور وہ جو لڑکا تھا۔ اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ بڑا ہو کر بدکردار ہو گا۔ کہیں ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے تو ہم نے چاہا کہ انکا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور بچہ عطا فرمائے جو پاک طینتی میں بہتر اور محبت میں زیادہ قریب ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی۔ سو دو یتیم لڑکوں کی تھی جو شہر میں رہتے تھے اور ان کے نیچے انکا خزانہ مدفون تھا اور انکا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں اور پھر اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے۔ یہ ان باتوں کی حقیقت ہے۔ جن پر تم صبر نہ کر سکے ؂

حضرت خضر علیہ السلام کی اس تصریح میں ایک بات بڑی ہی عجیب نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے تینوں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے متعلق تین قسم کا جداگانہ انداز

کلام اختیار کیا ہے۔ کشتی میں سوراخ کرنے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا (پس میں نے چاہا کہ اسے عیب والے کر دوں) اور لڑکے کو ہلاک کرنے کے واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ طرزِ کلام کو واحد متکلم سے جمع متکلم میں لے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں فَخَشِينَا أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝ فَأَرَدْنَا أَن يُبْدِلَهُمَا .... الخ

(پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔ پس ہم نے چاہا کہ .... الخ)

گویا پہلے واقعہ کا "میں نے چاہا" دوسرے واقعہ کے تذکرہ کے وقت "ہمیں اندیشہ ہوا اور ہم نے چاہا" میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ تیسرے یعنی تعمیر دیوار کا تذکرہ کرتے وقت یہ انداز کلام اور بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہاں نہ "میں کا تذکرہ ہے نہ "ہم" کا ذکر۔ وہ کہتے ہیں تو یہ۔ "تیرے پروردگار نے چاہا کہ یتیم بچے جوان ہو کر اس خزانہ سے مستفید ہوں لہٰذا دیوار بنا دی گئی" اور اخیر میں پھر صیغہ واحد متکلم اختیار کر کے فرماتے ہیں کہ "میں نے یہ کام اپنے طور پر نہیں کئے۔ بلکہ کوئی

غیر معمولی طاقت اور کشش تھی۔ جس نے مجھ سے یہ کام لئے۔

گویا خضر علیہ السلام۔ کشتی میں سوراخ کرنے کے فعل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی اور لڑکے کو ہلاک کرنے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کر کے اپنے ساتھ کسی اور طاقت کو بھی اس فعل کا ذمہ دار قرار دیا اور تعمیر دیوار کے سلسلہ میں اپنی ہستی اور ذات کو یکسر بالائے طاق رکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ کام مجھ سے تیرے پروردگار نے کرایا۔

ایک عالم دین مفسر قرآن مولوی صاحب جن سے راقم الحروف قرآن پاک کی تفسیر کا درس لیا کرتا تھا۔ انداز کلام کے اس فرق کی وجہ جان نہ سکے۔ لیکن ایک صوفی نے میرے اس اشکال کو یہ کہہ کر حل کیا کہ کشتی میں سوراخ کرنے کا معاملہ حضرت خضرؑ نے عام عالم ناسوتی میں ہوتے ہوئے کیا تھا۔ یعنی عام حالات میں ایک شخص اس حال سے آگاہ ہو سکتا ہے کہ دریا کے دوسرے پار کشتیاں بیگار میں پکڑی جا رہی ہیں اور وہ کشتی کو بچانے کے لئے اس قسم کی پیش بندی کر سکتا ہے۔ لیکن لڑکے کو ہلاک کر دینے کے معاملہ میں حضرت خضر ایک عام انسان ہونے کی حیثیت میں اس امر

کا حق نہیں رکھتے تھے ۔ کہ وہ ایک جان کو محض اپنے علم یا اندیشے کی بنا پر ہلاک کر دیں ۔ وہ کام انہوں نے اس عالم میں کیا ۔ جب عارف واصل باللہ ہو جاتا ہے اور جس حالت کے متعلق حدیث قدسی میں آیا ہے کہ بندے کی اس حالت میں خدا اس بندے کے اعضاو جوارح بن جاتا ہے ۔ یعنی اس سے جو کام بھی صادر ہوتا ہے ۔ وہ خدا کی مرضی کے عین مطابق صادر ہوتا ہے ۔ بقا باللہ ہونے کی یہ کیفیت حضرت خضر کی زبان سے فَخَشِینَا وَاَرَدْنَا کے کلمات کی شکل میں ظاہر ہوئی ۔ جو اللہ جل شانہ کا عام انداز کلام و خطاب ہے

تعمیر دیوار کے سلسلہ میں حضرت خضر علیہ السلام سلوک کی راہ میں ایک قدم آگے بڑھ کر مقام فنا میں پہنچ جاتے ہیں اور اپنی ہستی کو بالکل گم اور معدوم کر کے اپنے فعل کو پروردگار موسیٰ کے ارادے کا مظہر بنا رہے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ یعنی میں نے جو کچھ کیا ۔ اپنے خیال سے نہیں کیا ۔ بلکہ کرانے والی طاقت کوئی اور تھی ؎

واضح رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی اس تاویل و تشریح سے اسی صورت میں مطمئن ہوئے ہونگے

جب مرشد کی نظر کے فیض نے ان پر بھی یہ تینوں کیفیات طاری کر کے ان کی اس بے خبری کو دور کر دیا ہو گا جو ان افعال پر اعتراض کرنے کا موجب بنی تھی۔ ے

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

صنفِ نازک کا مقدمہ

حشر کے میدان میں داورِ حقیقی کے فرشتے جب ذکور و اناث کے حساب کی فردیں مرتب کر چکے تو بارگاہِ ایزدی سے حکم ہوا کہ انسانوں کے طبقۂ اناث سے کوئی عورت پیش ہو اور اپنی جنس کے متعلق کسی قسم کی سفارش کرنا چاہے تو کر لے۔

ایک خاتون جس نے چادر اوڑھ رکھی تھی اور بارگاہ رب العزت میں سجدہ کر کے یوں گویا ہوئی :-

اے جلال و اکرام کے مالک ! تو نے دنیا میں ہماری

جنس کو کمزور و ناتواں پیدا کیا اور مردوں کو ہم پر کئی طرح کی طبعی اور فطری فضیلتیں عطا کیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مرد اس ناتواں طبقہ کے ساتھ انصاف و مروت سے پیش آتے لیکن انہوں نے ہماری صنفی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے ہمیں خادمائیں بنا کر رکھا ہم سے ایسی ایسی مشقتیں لیں۔ جو ہماری کمزور فطرت کے لئے ناقابل برداشت تھیں۔ ہمارے ساتھ مدت العمر حیوانوں کا سا سلوک کرتے رہے۔ معاش کے حصول کی جدوجہد میں انہوں نے اپنی ماؤں۔ بیویوں۔ بہنوں اور بیٹیوں سے ایسے ایسے کام لئے جو اپنی فطری طاقت اور اپنے بدن کی ساخت کے لحاظ سے مردوں کے کرنے کے تھے۔

مردوں نے عام طور پر باستثنائے چند ناروا طریقوں سے عورتوں کو اپنی ہوس رانیوں کی آماجگاہ بنایا محض اس لئے کہ وہ فطرتاً کمزور واقع ہوتی تھیں اور زندگی بسر کرنے کے لئے نان و نفقہ کے حصول کی ویسی جدوجہد نہیں کر سکتی تھیں جیسی وہ خود کر سکتے تھے۔ انہوں نے عورتوں کو حرص و ہوا کے بازاروں میں بیچا۔ اور دام کھرے کئے۔ ان میں سے

بعض نے عورتوں کو محض اس لئے خریدا کہ اُن کے بدنوں اور ان کی محنتوں سے کسی قسم کے استحقاق کے بغیر ناجائز فائدے حاصل کریں۔ نوع انسانی کے شعور میں آنے کے وقت سے لے کر بہت طویل مدت تک عورت ذات ان جانوروں کی طرح شمار ہوتی رہی۔ جن پر انسان نے اپنی عقل اور اپنے زور کے بل پر قابو حاصل کر لیا تھا اور جن سے وہ طرح طرح کے کام لیتے تھے ؛

اے مالک الملک۔ ہزارہا سال تک صنفِ نازک اس قسم کے مصاحب جھیل جھیل کر مردوں کی خدمت کرتی رہی۔ عورتوں نے خود دُکھ اُٹھا کر مردوں کی اولاد کو پالا لیکن اسی اولاد کے ہاتھوں ضعیف العمری میں طرح طرح کی سختیاں برداشت کیں۔ پھر جب ہمارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنے کا وقت آیا تو ہمیں آزاد کر دیا گیا لیکن عورتوں کو آزاد کرنے اور انہیں زندگی کے مساوی حقوق دینے کے بہانے سے انہیں اور بھی بیوقوف بنایا گیا۔ مطلب یہ تھا کہ مردوں کی خشک محفلیں عورتوں کے وجود سے آراستہ ہونے لگیں۔ سیر گاہوں میں انکی آنکھوں کی ترو تازگی کے سامان آسانی اور

افراط سے ملیں ۔ ہوس رانیوں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں میسر آسکیں اور مرد صنف نازک کے بیشتر حصہ کے لیے حصول معاش کی فکر سے بچ جائیں ۔ لیکن کہا یہ گیا کہ تمہیں آزاد کر دیا گیا ہے ۔ تمہیں زندگی کے نعم سے تمتع حاصل کرنیکا مساوی حق دے دیا گیا ہے ۔ اِس قسم کے دھوکوں سے انہوں نے عورتوں کے ایک کثیر طبقہ کو حیا اور عفت کی صفات سے عاری کر دیا ۔ تاکہ وہ عورتیں مردوں کی سفلی خواہشات کا ایک آسان شکار بنی رہیں ٭

الہ العالمین ! یہ حال دیکھ کر تو نے اپنے آخری رسول ؑ کے ذریعے جو کتاب آئین بھیجی ۔ اس پر بھی مردوں نے پوری طرح عمل نہ کیا ۔ تو نے اس کتاب میں عورتوں اور مردوں کے حقوق و وظائف معین کر دیئے اور ان سب کے لئے حدود مقرر کر دیں تاکہ صنف لطیف جنس کثیف کے ظلم سے محفوظ ہو جائے ۔ لیکن دوسرے تو کیا کرتے مسلمانوں نے بھی تیرے اِن احکام پر ادھورا عمل کیا اور تنومندی کے نشے میں انہوں نے کبھی اس بات کی پروانہ کی کہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں ٭

میں نہیں کہتی کہ دنیوی زندگی میں عورتوں سے لغزشیں سرزد نہیں ہوئیں۔ انہوں نے تیرے احکام سے سرتابی نہیں کی۔ لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ ہمارا طبقہ نوع انسانی کی تاریخ کے تمام ادوار میں مردوں کے ظلم وستم کا تختہ مشق بنا رہا۔ لیکن اِن وظائف کی ادائیگی میں بہت کم کوتاہی دکھائی۔ جن کے لئے تو نے اُسے خلق کیا تھا۔ اکثر عورتیں جن سے لغزشیں ہوئیں۔ اِن لغزشوں کے بارہ میں خود مجرم نہیں بلکہ ان کی فطری طاقتوں اور انکی طبعی کمزوریوں کے باعث مردوں نے انہیں راہِ راست سے ہٹ کر چلنے کے لئے مجبور کر دیا۔ عورتیں دنیوی زندگی کی ساری مدت مردوں کی غلام بنی رہیں۔ یعنی مردوں نے اپنی برتر طاقت کے بل پر انہیں غلام بنائے رکھا۔ اس لئے عورتوں کے قصوروں کے متعلق مردوں ہی کو جوابدہ ٹھہرانا چاہیئے اور عورتوں کو ان کی فطری کوتاہیوں اور مجبوریوں کے پیشِ نظر تیری بارگہ جلال سے عفو ومغفرت کا انعام مِلنا چاہیئے۔ . . . .

یہ عرضداشت سننے کے بعد بارگاہِ ایزدی سے

فرشتوں کے نام یہ حکم صادر ہوا کہ نوع انسانی کی ساری عورتوں کو بہشت میں لے جاؤ۔ ہم نے اُن کے گناہ معاف کر دیئے۔ لیکن جو عورتیں اپنی بداعمالیوں کے باعث نا عورت ہونے کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔ انہیں کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے ہمارے منشائے تخلیق کے خلاف عمل کیا اور اپنی فطرت گنوا دی ۞

ایمان اور اعمالِ صالح

قرآنِ حکیم نے جن لوگوں کو دنیا اور آخرت میں فوز و فلاح کی خوش خبری دی ہے انہیں جا بجا الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ یعنی حیاتِ انسانی کی کامرانیوں کا انحصار ایمان اور اعمال صالح پر رکھا گیا ہے ؏

ایمان اور اعمال صالح کی حقیقتوں پر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے لازم و ملزوم نظر آئیں گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی انسان کی زندگی

متاع ایمانی سے تو مالا مال ہو لیکن اعمالِ صالح سے اس کا نامہ خالی نظر آئے یا اعمالِ صالح تو موجود ہوں۔ لیکن ایمان کی شرط معدوم ہو۔

ایمان ایک قلبی۔ ذہنی۔ فکری اور احساسی کیفیت کا نام ہے۔ جس میں انسان ایک قادرِ مطلق ہستی کی قدرت کاملہ کی کارفرمائیوں کا قائل ہو جاتا ہے۔ دِل سے تسلیم کر لیتا ہے کہ کائنات ارضی وسماوی کا کارخانہ ایک ہی فوق الادراک ہستی یعنی اللہ نے پیدا کیا اور وہی اسے کسی خاص مقصد کے لئے چلا رہا ہے۔ وہ اپنے فرشتوں کی وساطت سے انسانوں میں سے برگزیدہ اشخاص کو منصب نبوت ورسالت کے لئے چن لیتا ہے اور ان برگزیدہ اشخاص پھر اس نے انسانوں کی ہدایت و کامرانی کی سیدھی راہ دکھانے کے لئے اپنے احکام کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں نازل کئے اور خدا کا یہ پیغام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (بابی وامی) پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید میں اپنی مکمل و اکمل صورت میں نوعِ انسانی کے سامنے آ چکا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی ایک ذہنی کیفیت جو خدا اور

اس کے رسول پر ایمان لانے سے پیدا ہوتی ہے۔ کوئی انسان ایسے اعمال و افعال کا عمداً مرتکب نہیں ہو سکتا۔ جن پر عمل غیر صالح ہونے کا اطلاق کیا جا سکے۔ کیونکہ اعمال جو انسان کے اعضا و جوارح سے صادر ہونے والی بیرونی حرکات ہیں۔ اس کے باطن یعنی اس کی قلبی اور احساسی کیفیت ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں پس جس شخص کا ایمان صحیح اور پختہ اور مستحکم ہوگا۔ اس کے اعمال بھی صالح ہونے کے اعتبار سے اس قدر صحیح۔ پختہ اور مستحکم ہوں گے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص کو خدا کے علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہونے کا یقین بھی ہے اور اس کے باوجود وہ ایسے اعمال کرے جنہیں وہ خود مخفی رکھنے کا خواہاں ہے یا جنہیں وہ خود غیر صالح سمجھتا ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص کو خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی کیفیات حشر و نشر و حساب و کتاب پر ایمان بھی ہو اور اس کے باوجود وہ ایسا کوئی کام کرنے کی جرأت کرے۔ جس کے متعلق وہ خوب جانتا ہے کہ کل اس کے متعلق اس سے بازپرس ہو کر رہے گی ⁂

اب ذرا اعمال کی طرف جائیے اور سوچئے کہ آیا ایمان کے بغیر اعمال صالح کا امکان ہے یا نہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ ایسے لوگوں میں بھی جو خدا کی ہستی پر اور اس کے رسولوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ نیکی کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو خلق خدا کو بہت نفع پہنچاتے ہیں اور بہ ظاہر ایسے کام کرتے ہیں۔ جنہیں اعمال صالح کی فہرست میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ محض نظر کا دھوکا ہے۔ کیونکہ منکرینِ خدا اور منکرین حشر و نشر اگر بہ ظاہر اچھا کام کرتے ہیں تو اسی دنیا میں اس کا کوئی صلہ لینے کے لئے کرتے ہیں۔ اور انہیں اسی زندگی میں ان کے اعمال کا اجر مل بھی جاتا ہے۔ کسی عمل کے صالح اور غیر صالح ہونے کا انحصار ایک تو اس نیت پر ہے۔ جس کے ساتھ وہ عمل کیا جائے۔ اور دوسرے ان نتائج پر ہے جو اس سے مترتب ہوں لہٰذا منکر خدا کا کوئی فعل بھی اعمال صالح کی اس فہرست میں نہیں آسکتا۔ جو ایک مرد مومن کے اعمال کے لئے تیار کی جائیگی۔ کیونکہ اس کی قلبی اور روحانی کیفیت وہ نہیں جو ایک ایماندار شخص خدا پر ایمان رکھنے کے باعث اپنے اندر پیدا کر لیتا

ہے ٭

اب ذرا تیسری شکل پر غور کیجئے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ اعمال تو صالح نہ ہوں ۔ لیکن ایمان موجود ہو ۔ میرا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ اگر کہیں ایسی صورتیں نظر آتی ہیں ۔ جن پر یہ دھوکا ہوتا ہے کہ کوئی عمل غیر صالح رکھنے والا شخص ایماندار ہے تو ایسے شخص کے ایمان کی حقیقت محض اقرار باللسان ہی تک محدود ہے اور ابھی تصدیق بالقلب کی منزل سے شناسا نہیں ہوئی ۔ کیونکہ ایمان جب دل میں گھر کرنے لگتا ہے تو مرد مومن کی اندرونی اور داخلی کیفیات میں جنہیں باطنی اور روحانی واردات بھی کہتے ہیں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیتا ہے اور یہ انقلاب اس کی سیرت کے سارے پہلوؤں پر اثر ڈال کر اس کی زندگی کو صالح بنانا شروع کر دیتا ہے ۔ جوں جوں ایمان پختہ اور مستحکم ہوتا جاتا ہے اعمال بھی صالح تر ہوتے چلے جاتے ہیں تا آنکہ ایک درجہ ایسا آ جاتا ہے ۔ جہاں پہنچ کر ادھر انسان کی روح عرفان و ایقان کی بلندیوں میں داخل ہو جاتی ہے ۔ اور ادھر اس کا سونا ۔ جاگنا ۔ اٹھنا بیٹھنا

کھانا - پینا - آرام کرنا اور مشاغل دنیا میں حصہ لینا سب عبادات میں داخل ہو کر اعمال صالح کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یہی وہ مقام ہے - جس کے حصول کی ہر مسلمان کو جدوجہد کرنی چاہیئے ؎

تہذیبِ فرنگ اور اس کی منزلِ مقصود

عہدِ حاضر میں کرۂ ارضی پر اہلِ فرنگ کو جو اقتدار و سطوت حاصل ہے۔ اس کی نظیر نوعِ انسان کی تاریخ میں انسانوں کی کسی جماعت۔ قوم یا مجمع اقوام کے متعلق نہیں ملتی۔ دنیوی علوم و فنون کی ترقیات۔ سیاسی استیلا۔ حربی قوت۔ مالی سطوت اور معاشری تفوق نے ملل فرنگ کو آج وہ طاقتیں اور قوتیں عطا کر رکھی ہیں کہ انسان کی عقل دنگ اور اس کے فکر کی جولانیاں وا ماندہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ خشکی کے اکثر و بیشتر اقطاع یا تو براہِ راست ان اقوام میں سے کسی ایک کے حیطۂ

اقتدار میں آچکے ہیں یا علمی۔ اقتصادی۔ تمدنی اور معاشرتی
حیثیات سے اُن کے مقلد و تابع بن چکے ہیں۔ تری میں انہیں
کے سفینے موجودات بحری کو اپنی برتری کا پیغام دیتے نظر
آرہے ہیں اور فضائے ہوائی میں انہی کے طیارے بحر و بر
پر اپنے سطوت و جبروت کا سکہ بٹھانے کے لئے مصروفِ
پرواز ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی مللِ فرنگ نے زندگی کا جو اسلوب
اختیار کر لیا ہے یا جس ڈھب پر واقعاتِ عالم کی رفتار نے
انہیں ڈال دیا ہے۔ وہی آجکل "تہذیب" سمجھا جاتا ہے۔
اور اسی کو خوب صورت بنا کر دکھانے اسی کی بنیادیں مستحکم
کرنے اور اسی کو ترقی دینے کے لئے عصرِ حاضر کے اربابِ علم و
فکر اور اصحابِ سطوت و اقتدار کی ہر طرح کی مساعی صرف ہو
رہی ہیں۔ اس کو ہر طرح کی آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے
پوری جد و جہد کی جاتی ہے اور تمام نوعِ انسانی کو اسی کے
رنگ میں رنگنے کے لئے ہر طرح کی کوششیں اور قوتیں صرف
کی جا رہی ہیں۔ بادی النظر میں ایسا دکھائی دیتا ہے۔ کہ نوعِ
انسانی کو امن و راحت کی زندگی دینے یا اسے صعوبتوں اور
مصیبتوں میں مبتلا کرنے کی کلید انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے

جو عصر جدید کی تمدنی مشین کے بنانے والے اور اسے اپنے حسب منشا حرکت دینے والے ہیں - افراد نوع انسانی کے کسی گروہ کو قدر و بسط رزق کی مشکلات میں مبتلا کر دینا ان پر بیٹھے بٹھائے جنگ و پیکار کے زہرہ گداز مصائب نازل کرنا - ان میں پھوٹ ڈال کر انہیں آپس میں لڑا دینا۔ حسب ضرورت ان کے درمیان افکار و آرا کی طوائف الملوکی پیدا کرنا اور رائے عامہ کو بہ لطائف الحیل اپنے مقاصد کے موافق بنا لینا ان لوگوں کے بائیں ہاتھ کے کھیل ہیں - جن کے تماشے بصارت و بصیرت رکھنے والی آنکھیں اگر دیکھنا چاہیں تو ہر مقام پہ دیکھ سکتی ہیں اور عقل و فہم رکھنے والے دماغ انہیں سمجھنا چاہیں تو ہر لحظہ سمجھ سکتے ہیں - عالم مادیات میں اہلِ فرنگ کو نوع انسانی کی دیگر اقوام پر جو ہمہ گیر تفوق حاصل ہو چکا ہے - اس نے ایشیا و افریقہ اور دیگر اقطاع عالم کے پسماندہ انسانوں کی نظروں میں انکی ہر شے خوب صورت - ان کی ہر ادا محبوب اور ان کی ہر حرکت قابلِ تقلید بنا دی ہے - اگر وہ کہتے ہیں کہ ہر قسم کی اخلاقی اور قانونی بندشوں سے آزاد ہو کر زندگی بسر

کرنے میں انسان کے لیئے فوز و فلاح کے اسرار مضمر ہیں۔ تو ملل عالم کے اکثر و بیشتر افراد ان کے اس قول پر آمنّا و صدّقنا کہہ کر ان کی تقلید پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ نوع انسانی کے سابقہ تجارب کے قائم کردہ مسلمات کے برعکس عیب کو ہنر اور ہنر کو عیب قرار دینے لگتے ہیں تو مشرق و مغرب کے عوام کالانعام اپنے قوائے عقلیہ و فکریہ کو شل کر کے ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں اور اپنے اندر وہی اوصاف پیدا کرنے کے متمنی ہو جاتے ہیں جو انہیں استادانِ تہذیب انسانی میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ کاروانِ اولادِ آدم کے یہ رہبر نوع انسانی کو کس طرف لے جا رہے ہیں اور جس راہ پر وہ لے جا رہے ہیں وہ کس مقام پر جا کر ختم ہو گی۔ اور اس مقام کی ماہیت و کیفیت کیا اور کیسی ہو گی؟

اس میں شک نہیں کہ اہل فرنگ کی موجودہ علمی و فنی ترقیات موجوداتِ ارضی کو بہت بڑی حد تک اپنے حلقۂ دانش کی اسیر بنا چکی ہے۔ پہاڑ اور سمندر ان کی علمی کاوشوں کا کلمہ پڑھنے لگے ہیں دریا ان کی فنی

کامرانیوں کے سامنے سجدہ ریز ہیں - ہوائیں ان کی مطیع اور بجلیاں ان کی تابع فرمان ہیں - شکم ارضی کے خزانے انہیں پکار پکار کر دعوتِ تصرف وابتغائے فضلٍ مّن اللہ دے رہے ہیں - علمی تفتیش وتفحیص نے موجوداتِ ارضی کی ظاہری ومخفی قوتوں کو مسخر کر کے جو دروازے ان پر کھول رکھے ہیں وہ حیرت انگیز ترقیات کے آنے والے دور کی طرف اشارہ کرتے دکھائی دیتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں لیکن عصرِ حاضر کی تہذیب میں ایک بڑی خامی نظر آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے عہد میں انسانیت ذلیل اور شرف نوعی پامال ہو رہا ہے - جوں جوں اہلِ فرنگ کی تہذیب اپنے قلعۂ تسخیر کو وسیع کرتی چلی جا رہی ہے - توں توں عام تودہ اولادِ آدم اور جامعۂ انسانی پر زندگی کی صعوبتیں زیادہ تر اور مشکل تر ہوتی چلی جا رہی ہیں - اہلِ فرنگ کی علمی ترقیات سے عام نوعِ انسانی یکساں طور پر مستفید ہوتی نظر نہیں آتی بلکہ ان کے اثمار صرف ان احزاب وجماعات ہی کے لئے مختص ہیں جو انہی ترقیات کے بل پر انسانوں پر تفوق و اقتدار حاصل کر چکے ہیں اور نوعِ انسانی الذین استکبروا

والذین استضعفوا کے دو گروہوں میں منقسم ہوتی چلی جارہی ہے با اقتدار گروہ عیش و نعم دنیوی سے زیادہ سے زیادہ متمتع حاصل کر رہا ہے اور مغلوب و مقہور جماعتیں روز بروز ذلیل تر اور خوار تر ہوتی جارہی ہیں - یہ صورت حال اس اندیشہ کو روز بروز قوی تر کرتی چلی جارہی ہے کہ اہل فرنگ کے موجودہ تمدن کی کار فرمائیاں اور ہمہ گیریاں نوع انسانی کے ان طبقات کو جو ضعیف ہو چکے ہیں - فرعون مصر کی طرح انا ربکم الاعلیٰ (میں ہی تمہارا خدائے بزرگ و برتر ہوں) کا پیغام نہ دینے لگیں اور تہذیب حاضر کی کامرانیاں اور کامیابیاں کہیں انہیں اس کے نمرود کی مانند انا احیی و امیت کا دعویٰ کرنے پر مائل نہ کر دیں ؎

تہذیب حاضر کی اس خرابی کا راز اس احساس میں مضمر ہے جس پر عصر حاضر کے تمدن کی بلند و بالا عمارتیں تعمیر کی جارہی ہیں - تہذیب حاضر اس تنازع للبقا کی کش مکشوں اور پیکاروں کا نتیجہ ہے جو عالم مادی میں ہر طرف حکم فرما نظر آتا ہے اور بہیمیت اور سبعیت کے حیوانی عالم میں ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے تہذیب حاضر کا سارا ڈھانچ

اس سلمہ اور کلیہ کی بنا پر تیار کیا گیا ہے کہ جینے کا حق صرف اسی کو ہے جس میں جینے کے لئے طاقت و قوت موجود ہو - کمزور کو نگل جانا اور ضعیف کو فنا کر دینا قدرت کے اصولوں کا ایک بڑا اصول ہے - یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں تمام اقوام کا مطمح نظر جو آجکل کی تہذیب و تمدن کے علمبردار ہیں - استکبار و استیلا اور ہر قسم کی طاقت و قدرت کے اصول و تمرکز کے سوا اور کچھ نہیں - ایک ایسی تہذیب کی وقتی ہمہ گیری اور کامیابی جس کی اساس تنازع للبقا کے اصول پر قائم کی گئی ہے - عام نوع انسانی کے طبائع پر یہ اثر ڈال رہی ہے کہ عام انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں درندگی کی صفات پیدا کرنا اور دوسروں کے حقوق انسانیت کو غصب کرنا مقصد حیات و لازمۂ حیات سمجھنے لگے ہیں - اخوت برادری ہمدردی نوعی محبت جنسی وغیرہ کی صفات ناپید ہوتی جا رہی ہیں - دنیا انسانوں کی بجائے درندوں اور آدمیوں کی بجائے آدم نما بھیڑیوں سے معمور ہونے لگی ہے - جن میں ہر فرد حرص و آز اور ہوا و ہوس کا ہولناک منہ کھولے ہوئے دوسرے افراد کو پھاڑ کھانے اور نگل جانے کا متمنی ہے اور اس تاک میں لگا

رہتا ہے کہ دوسروں کے اموال و استعدادات سے اپنی ذات کے لئے زیادہ سے زیادہ منافع جائز اور ناجائز ذرائع سے حاصل کرے اور دوسرے کی زندگی کو جہاں تک ممکن ہو صفحہ ہستی سے محو اور کالعدم کر دے یا اسے اپنے حلقۂ دام ہوس کا اسیر و نخچیر بنا لے۔ نتیجہ یہ ہے کہ علمی اور مادی ترقیات کے ساتھ ساتھ انسان زیادہ شقی القلب اور کثیف الحس ہوتا چلا جا رہا ہے اور پاک نفس انسانوں کے وہ پیغامات جو نوع انسانی کو وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے انسان کی صفات اور اس کے حیوانی اوصاف کو دور کر کے اس میں لطافت حس اور ذوقِ سلیم پیدا کرنے کے لئے پہنچائے گئے تھے۔ بے اثر ہو رہے ہیں یہ صحیح ہے کہ اثرِ حاضر کی ترقیات اور علمی تحقیقات نے نوعِ انسانی پر اپنی زندگی کو مادی اعتبارات سے بہتر اور سہل بنانے کے لئے بہت سے نئے دروازے کھول دیئے ہیں جو اس پر زمانہ گذشتہ میں یکسر بند تھے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ عناصر قدرت و ما فی الارض کو اپنے فتراکِ دانش کا نخچیر بنانے میں عصر حاضر کے انسانوں کو ازمنہ گذشتہ کے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ کامیابی حاصل ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے

لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ساری ترقیات
نوع انسانی میں ایسی ناگفتہ بہ کیفیات پیدا کر رہی ہیں جن سے
آج سے قبل اکثر اقوام ملل اپنے زمانہ ترقی و عروج میں دو
چار ہوئیں اور جن کے نتائج یہ تھے لیکن وہ سب کی سب اپنے
اپنے تمدن کو لے کر فنا کی نیند سوگئیں۔ اس لئے سوگئیں
کہ ان کے تمدن و ترقی کی بنیادیں بھی عصر حاضر کے تمدن و
ترقی کی بنیادوں کی طرح تنازع للبقا کے اصول پر قائم کی گئی
تھیں اور وہ اقوام اس مقصد عظیم کی طرف سے یکسر غافل
تھیں۔ جس کے لئے انسان کی تخلیق معرض وجود میں لائی
گئی ؛

ملل فرنگ اپنی ہر گونہ ترقیات کے باوجود آج بغض و
عناد۔ عداوت و کینہ اور حسد و رقابت کے جن امراض میں
گرفتار ہو چکی ہیں۔ ان کا علاج اُن کے فلسفہ زدہ دماغوں کو
سجھائی نہیں دیتا۔ ان لوگوں کو اعماق بحر سے لے کر جوف سما
تک اپنے اقتدار کا سکہ بٹھانے کا طریق تو معلوم ہو چکا ہے۔
لیکن کرۂ ارض پر امن و امان اور صلح و سلام کے ساتھ زندگی
بسر کرنے کا کوئی اصول وضع کرنے میں انہیں کامیابی حاصل

نہیں ہو سکی ۔ جتنی کوششیں اس مقصد کے حصول کے لیئے
بروئے کار لائی گئی ہیں وہ تمام کی تمام نہ صرف ناکامی و محرومی
کی چٹان سے سر پھوڑ کر فنا ہو گئیں ۔ بلکہ باہمی شکوک و شبہات
کے بڑھانے ۔ امن و امان کے امکانات کو بعید تر کرکے ایک
اور ہولناک جنگ کو نزدیک لانے پر منتج ہوئیں ۔ ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ گذشتہ دس بارہ سال کی مدت میں امن کی بنیاد
مستحکم کرنے اور صلح کی حالت کو پائیدار بنانے کے لیئے یورپ
میں جس قدر محفلیں منعقد اور مجلسیں گرم کی گئیں ۔ جس قدر
تحریریں اور تقریریں بروئے کار لائی گئیں ۔ اہل سیاست
نے جس قدر سری و علنی ملاقاتیں کیں اور جس قدر روپیہ خرچ
کیا گیا ۔ وہ تمام کا تمام اسی لئے تھا ۔ کہ جلد سے جلد دنیا
کو آگ اور خون کے ایک اور ہولناک کھیل کے لیئے تیار کر
جائے اور اہل عالم کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف
انتقام و کینہ اور بغض و عناد کے جذبات برانگیختہ کر دیئے
جائیں ۔

علم برادران تہذیب حاضر آج ایک دوسرے کو کامل
بد اعتمادی کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں ۔ ایک اور جنگ

کی تیاریاں ہر جگہ مکمل کیجارہی ہیں اور حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ عوام الناس خود جنگ کے لئے تمنا کرنے لگے ہیں انسانی ہاتھوں کی کمائی ہوئی دولتیں ڈریڈناٹوں۔ کروزروں مختلف قسم کی مشینوں۔ آبدوزوں۔ تارپیڈوں بحری سرنگوں جنگی طیاروں - اژدرو سم توپوں۔ سریع الاطلاق مشین گنوں۔ بندوقوں۔ بموں۔ ٹینکوں اور دوسری اقسام کے حربی سامان و ذخائر کی فراہمی اور ساخت پر صرف کی جارہی ہیں۔ بہترین دماغ جو اپنی علمی تحقیقات سے نوعِ انسانی کو فائدہ پہنچانے والی ایجادیں دریافت کرنے کے لئے مصروف کار ہوتے - انسان کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے شب و روز کے فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں اور ایسی ایسی شیطانی ایجادیں کر کے اپنی اپنی حکومتوں کو دے چکے ہیں جو جنگ کے موقعوں پر ظاہر ہو کر ایک عام تباہی لانے پر منتج ہوں گی - ہزارہا قسم کی زہریلی گیسیں - امراض کے مہلک جراثیم - ہلاکت بار شعاعیں پیدا کرنے کے سامان - صدہا میل پر آگ لگا دینے والے شعلے - طیاروں کو گرانے والے شیشے اور فضا کو تیرہ و تار کرنے والے گولے ایسی

ایسی اشیاء ہیں۔ جن کی تیاری کے متعلق کسی قسم کے شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور جنہیں آئندہ جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف آزادانہ استعمال کیا جائے گا۔ کارخانے جو انسان کے لئے ضروریاتِ زندگی پیدا کرنے میں ممد ہوتے۔ آج اسے فنا کرنے کا سامان بنانے میں مصروف ہیں۔ اور لاکھوں افراد کی جماعتیں اس غرض کے لئے تیار کی جا رہی ہیں کہ وہ متذکرہ صدر اوزاروں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کر کے نوعِ انسانی کو ایک عام تباہی کا شکار بنا دیں۔ ظاہر ہے کہ عصر حاضر کی ترقیات انسان کی زندگی کو سہل تر۔ بآرام تر اور پُر امن تر بنانے کے بجائے اِسے تباہ و برباد کرنے کی طرف زیادہ تیزی کے ساتھ قدم بڑھا رہی ہیں۔ جن کا نتیجہ آج نہیں کل نہیں پرسوں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ آسمانِ محیط کی آنکھیں ایک دفعہ پھر انسان کی کامل تباہی کا تماشہ دیکھیں اور عصر حاضر کی تہذیب اپنے علم برداروں کو ساتھ لے کر ماضی کے انہی فراموش شدہ ادوار و ازمنہ میں روپوش ہو جاتے جس میں نوح۔ عاد۔ ثمود۔ فرعون۔ نمرود۔ بابل و مصر

کی اقوام عہدِ قدیم غائب ہو چکی ہیں اور انسانوں کی جو جماعتیں اس ہولناک تباہی سے بچی رہیں انہیں مدا ولت ایام ایک نئی تہذیب کو صحیح تر بنیادوں پر قائم کرنے کا موقعہ دے ؂

اَلَمْ یَرَوْ کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ مَالَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْھِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْھٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمْ فَاَھْلَکْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِھِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۔ (انعام ع ۱ سورۃ ۶)

کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر مارا ۔ جن کو ہم نے زمین میں اس طرح قائم کیا تھا کہ تمہیں ابھی وہ پائیداری حاصل نہیں ہوئی ۔ ہم نے اُن پر آسمان سے چھاجوں پانی برسایا اور انکے پاؤں تلے نہریں جاری کر دیں ۔ پھر ہم نے ان کو اُن کے گناہوں کی پاداشں میں ہلاک کر مارا ۔ اور ان کو ہلاک ہوئے پیچھے اور قومیں پھیلا دیں ؂

(یہ مضمون ۱۹۳۴ء میں یعنی دوسری جنگِ عظیم شروع ہونے سے ۵ سال پہلے قلمبند کیا گیا اور روزنامہ احسان لاہور میں چھپا)

جنّوں کے حالات

قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر معشر الانس یعنی بنی نوع انسان کے ساتھ ساتھ ایک اور مخلوق کو بھی خطاب خداوندی کا مخاطب بنایا ہے۔ جسے قرآنی اصطلاح میں معشر الجن کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اِس انداز خطاب سے صاف اور بین طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جنّات بھی انسانوں کی طرح ذی فہم اور ذی شعور مخلوق ہیں۔ جنھیں رشد و ہدایت اور فوز و فلاح کے لئے نوعِ انسانی کی طرح آسمانی احکام کی ضرورت ہے۔ ان کے حالات بھی

انسانوں کے حالات سے بہت بڑی حد تک متماثل ہیں۔ ان کے لئے بھی آخرت کا حساب وکتاب اور عذاب و ثواب ویسا ہی لازمی ہے جیسا کہ انسانوں کے لئے ضروری ہے۔ اور خدائے برتر و توانا کی یہ مخلوق بھی جسے جن کے نام سے پکارا گیا ہے۔ انسان کی طرح ترقی یافتہ اور فہم وادراک کی قوتوں سے متمیز ہو چکی ہے۔ کیونکہ احکام خداوندی جو قرآن حکیم اور دیگر کتب سماوی میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ ان حیوانات کے لئے نہیں جو عقل وشعور سے مبرّا اور ارتقائے حیات کے پست منازل میں گرفتار ہو کر اپنی ترقی کی صلاحیتیں کھو بیٹھے ہیں۔ یہ احکام اللہ تبارک وتعالیٰ کی اسی مخلوق کے لئے نازل ہوئے ہیں۔ جن میں خیر و شر کے درمیان تمیز کرنے۔ اپنے لئے زندگی کی اچھی یا بُری راہ اختیار کرنے اور نفع ومضار کے بالارادہ ردّ و قبول کی صلاحیتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ جو قرآن حکیم کے منزل من اللہ اور صدق واضح کتاب ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس امر کے باور کرنے میں چون وچرا کو گنجائش نہیں دے سکتے۔ کہ جن بھی خدائے بزرگ و برتر کی مخلوقات متعددہ ومتنوعہ میں سے

ایک مخلوق ہیں۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّکَ اِلَّا ھُو (الآیہ)
یہ اور بات ہے کہ انسان کی محدود عقل سردست اس مخلوق کی ماہیت و کیفیت کا پوری طرح اندازہ نہ لگا سکے اور اس کا محدود علم اس مخلوق کے حالات و کوائف معلوم کرنے سے قاصر رہ جائے۔

جنّات کے متعلق عام قیاسات

جہاں تک انسان کے علمی تجارت و مشاہدات کا تعلق ہے۔ ابھی تک اسے خدائے قدیر کی اس مخلوق کے متعلق کسی نوع کا حتمی اور قطعی آگاہی حاصل کرنے کی توفیق ارزانی نہیں ہوئی۔ عام خیال یہ ہے کہ جنّات اِسی کرۂ ارضی پر آباد ہیں۔ لیکن انسان کی نظروں سے اوجھل کسی غیر مرئی کیفیت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہوا ایک غیر مرئی شئے ہے لیکن انسان کی قوت لامسہ اسے ہر لحظہ اور ہر دقیقہ محسوس کرتی اور اِس سے تمتع اندوز ہو رہی ہے۔ جنّات کے متعلق ابھی انسان کے حواس خمسہ میں سے کسی حس کو یہ توفیق حاصل نہیں ہوئی۔ کہ ان کے وجود کو محسوس کر سکے۔ ان کو دیکھ سکے یا ان کی

آوازیں سن سکے یا لمس کے ذریعہ سے ان کو چھو سکے یا ان کی بُو کو سونگھ سکے یا ان کا گوشت کھا کر ان کا ذائقہ دریافت کر سکے۔ اس کے علاوہ کرۂ ارضی کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہا۔ جہاں پر عصرِ حاضر کے انسان کی رسائی نہ ہو سکی ہو لہذا یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ معشر الجن اسی زمین کے کسی غیر معلوم گوشے میں آباد ہے۔ جہاں حضرت انسان کی رسائی نہیں ؟

جنات کے متعلق عامۃ الناس میں جو قصے مشہور ہیں۔ اور ہر قریہ اور ہر بستی میں سنے جاتے ہیں۔ وہ نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھے جائیں تو پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتے ہیں مثلاً یہ قول کہ جنات انسان کو چمٹ جاتے ہیں یا ان کے بدنوں میں حلول کر جاتے ہیں۔ جن کے زیرِ اثر انسان طرح طرح کا ہذیان بولنے لگتا ہے یا طرح طرح کی غیر معمولی حرکات اس سے سرزد ہونے لگتی ہیں۔ اس قسم کی واردات بعد تحقیق یا تو بعض انسانوں کا تصنع ثابت ہوتی ہیں یا امراض دماغی میں سے کسی عارضہ کا نتیجہ پائی جاتی ہیں۔ جنہیں عامۃ الناس کا سطحی فہم و قیاس کسی فوق الفطرت طاقت کا عمل سمجھنے لگتا ہے

اور اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ معمول پر جنّات کا تصرف ہے۔ جنّوں کے بشکل انسانی ظاہر ہو کر انسانوں میں شامل ہو جانے کے متعلق بھی بہت سے قِصّے سُنے جاتے ہیں لیکن ایسی داستانوں کا وجود سمع و قول کی حد سے آگے کبھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ لہٰذا جنات کے وجود کو بھی عامۃ الناس نے بھوت پریت کا درجہ دے رکھا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ جنات بھی غول بیابانی ہی کا دوسرا نام ہے۔ حالانکہ بھوت پریت اور غول بیابانی کا وجود اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ ڈرپوک انسانوں کی قوت واہمہ و متخیلہ اپنے لئے اور محض اپنے لئے اُن کے خیالی پیکر تراش لیتی ہے اور انہیں ایک ٹھوس حقیقت قرار دے کر مرعوب ہونے لگتی ہے۔

بھوتوں۔ بدروحوں اور غول ہائے بیابانی کا تخیل انسان کی ابتدائی زندگی کے توہمات ما بعد کی یادگار ہے۔ جب کہ انسان کے فکر کی پرواز اور اس کی عقل کا دائرہ بہت محدود تھا۔ اور وہ فطرت کی ہر نیرنگی میں کسی مافوق الفطرت عامل کو دیکھنے اور تلاش کرنے کا متمنی تھا۔ جب اس کی عقل حوادث ارضی و سماوی کے صحیح اسباب و علل معلوم کرنے

سے قاصر تھی اور وہ اشیا اور اس کی کنہ کے حقیقی عرفان سے کوسوں اور صدیوں دور تھا۔ قرآن حکیم جو ہر طرح کے اوہام باطلہ کی تکذیب کر کے صداقت تام کی طرف انسانی فکر کی رہنمائی کرتا ہے۔ اِن خیالی پیکروں کے متعلق جو ابتدائی دَور کے انسانوں کی قوّت متخیلہ نے تراشے تھے۔ وہ انداز بیان اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ جو اس نے کائنات ارضی کی ایک زندہ و عامل حقیقت یعنی انسان کے متعلق اختیار کیا ہے پس قرآن حکیم کے اندازِ خطاب ہی سے یہ ظاہر ہے کہ جنّات بھی انسان ہی کی طرح ایک ذی شعور مخلوق کا نام ہے جس کو پروردگار عالم نے حق و صداقت کا وہی پیغام سُنایا ہے جو انسان کو سُنایا گیا۔

انسانوں اور جنّوں کے حالات کی مماثلت

قرآن حکیم میں اس مخلوق کا تذکرہ جنّ یا جانّ کے لفظ سے کیا گیا ہے جس کے معنی پوشیدہ اور نظروں سے اوجھل کے ہیں لیکن قرآن حکیم کے اندازِ خطاب اور ہر امر میں جنّوں کو انسانوں کے ساتھ مشترک ٹھہرانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

معشرالجن اگرچہ معشرالانس کی نظروں سے اوجھل ہے۔ لیکن وہ بھی کرۂ ارضی کی اس ارتقا یافتہ مخلوق ہیں انسان کی طرح ترقی یافتہ اور اپنے اعمال کے لحاظ سے جزا و سزا کی مستوجب ہے۔ لہذا جنات کے متعلق کوئی قرین قیاس رائے قائم کرنے یا کسی نظریہ کو طے کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان آیات کا پورے تفکر و تدبّر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔ جو اس مخلوق کے متعلق قرآن حکیم میں مذکور ہیں :۔

سورۂ الرحمٰن میں پروردگار عالم نے معشر الجن و الانس دونوں کو یکساں طور پر مخاطب کرکے کائنات ارضی و سماوی کی مختلف موجودہ اور آئندہ کیفیتوں کی طرف توجّہ دلاتے ہوئے بار بار سوال کیا ہے :۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝

پس اے جنوں اور انسانوں) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں اور نشانیوں کو جھٹلاؤ گے۔

اس خطاب مشترک پر اسی سورہ پاک کی حسب ذیل آیت شاہد و دال ہے :۔

یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا۔ لا تنفذون الا بسلطٰن ؕ	اے جنّوں اور انسانوں کے گروہو۔ اگر تم سے ہو سکے۔ تو اجرام فلکیہ اور زمین کی قطاروں کو (چیر کر) آگے نکل جاؤ تو ایسا کر دیکھو۔ تم آگے نہیں جا سکو گے مگر اس وقت کہ "سلطان" یعنی غلبہ سے کام لو۔

اس سورۂ شریف میں جنّوں اور انسانوں کو یکساں طور پر مخاطب کر کے جن آلاء خداوندی کی طرف توجّہ دلائی گئی ہے اِن میں منجملہ دیگر امور کے قرآن پاک کا سکھایا جانا شمس و قمر کا ایک اندازہ کے ساتھ گردش کرنا۔ ستاروں اور درختوں کا بارگاہِ خداوندی میں سر بسجود ہونا۔ آسمان کی رفعت اور میزان کا قیام بھی شامل ہے۔ گویا دونوں قسم کی مخلوق کو یکساں طور پر موجودات کائنات کی طرف توجّہ دلائی گئی ہے۔ ان کے علاوہ جنوں اور انسانوں دونوں کے لئے میووں۔ کھجوروں۔ اناجوں۔ سمندروں۔ موتیوں۔ مرجانوں۔ جہازوں وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ جس سے بہ ظاہر ہوتا

ہے کہ جنّات بھی ان آلاءِ خداوندی کی حقیقت و ماہیّت کو اسی طرح سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس طرح کہ انسان رکھتا ہے۔ موجودات کی طرف توجّہ دلانے کے بعد جنّوں اور انسانوں کو یکساں طور پر مستقبل کی واردات کی طرف توجّہ دلائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ دونوں پر قیامت آنے والی ہے۔ آسمان شق ہو کر لال ہونے والا ہے دونوں کا یوم الحساب آنے والا ہے اور حشر میں دونوں گروہوں کے مجرمین کا مواخذہ ہونے والا ہے۔ پھر دونوں گروہوں کے نیکوکاروں کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے اور جنّت کی نعم کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دونوں کے بدکار جہنم میں جائیں گے۔ سورۃ الرحمٰن کے مطالب پر غور کرنے کے بعد اس کے سوا اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ جنّات کی زندگی بھی انسان کی زندگی کے ساتھ مماثلت رکھتی ہے اور دونوں کا انجام یکساں ہونے والا ہے اور دونوں قسم کی مخلوق میں آلاءِ اللہ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتوں اور نشانیوں کے سمجھنے، ان سے تمتع اندوز ہونے۔ کائنات ارضی و سماوی کی موجودات پر غور کرنے

اور خود اپنی تخلیق اور ارتقا کے مسائل کے متعلق تدبّر و فکر سے کام لینے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ قیامت اور مابعد کی کیفیات جو نوعِ انسانی پر گذرنے والی ہیں۔ اسی یکسانی کے ساتھ معشر الجن پر بھی وارد ہونے والی ہیں۔ اپنے اپنے ایمان وایقان اور اعمال کے لحاظ سے جس جنت میں نوعِ انسانی کے صالح افراد پہنچنے والے ہیں۔ اسی میں جنات کے صالح افراد بھی جانے والے ہیں نعیم بہشتی سے تمتع اندوز ہونے کی صلاحیت جنوں میں بھی ویسی ہی موجود ہے۔ جیسی کہ انسانوں میں پائی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ توجّہ طلب وہ آیات ہیں۔ جن میں جنت کے باغات میں سیر کرانے والی قاصرات الطرف اور خیرات حسان یعنی پاکیزہ اور خوبصورت بیویوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ (ان سے قبل ان ازواج مطہرات کو نہ تو کسی انسان نے چھوا ہوگا نہ کسی جن نے ہاتھ لگایا ہوگا) یہ آیت سورۂ الرحمٰن میں دو دفعہ مذکور ہے اور اس سے یہ ظاہر ہے کہ جس زوج کو کسی انسان نے

چھوا ہو۔ وہ جنّ کے لئے اور جس کو جنّ نے طمس کیا ہو۔ وہ انسان کے لئے مستوجب کراہیت ہو جاتی ہے اور پاکیزہ نہیں رہتی۔ گویا انسانوں اور جنوں میں بہت بڑی حد تک مماثلت تام پائی جاتی ہے۔ تاآنکہ دونوں گروہ ایک ہی نوع کے ازواج سے یکساں طور پر تمتع اندوز ہو سکتے ہیں۔

اکثر دانش فروش نعم بہشتی کے تذکار کے سلسلہ میں یہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ محض تمثیلی حیثیت سے آیا ہے اور ان سے وہی نعم مراد نہیں جو الفاظ کی سادگی اور ان کے سیدھے سادے معانی سے مترشح ہوتی ہے لیکن یہ ان لوگوں کا قصور فہم ہے۔ ان کی نظر کی کوتاہیاں انہیں اس فلسفیانہ جنّت کی طرف لے جاتی ہیں۔ جس کا وجود محض خیالی ہے۔ میں اس موقع پر اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا توفیق ایزدی یاور ہوئی تو قرآنی جنّت یعنی صالح انسانوں کی ترقیات بعد الموت اور بعد الحشر کی منزل مقصود پر انشاءاللہ العزیز مبسوط روشنی ڈالی جائے گی۔ اور واضح کیا جائیگا کہ جو کچھ قرآن پاک میں مذکور ہے وہی حرف بہ حرف اور لفظ بہ لفظ اس کا مقصود ہے ؎

انسانوں اور جنوں کے حالات کی مماثلت کے متعلق قرآن پاک میں جا بجا آیات مذکور ہیں۔ مثلاً انسانوں کی طرح جنوں کے جہنم کی آگ کا ایندھن بننے کے متعلق آیا ہے۔

قال ادخلوا فی امم قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار (سورۂ اعراف رکوع ۴)

پروردگار عالم کہے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو امتیں تم سے پہلے دوزخ میں داخل ہو چکی ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس. لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغفلون (سورہ اعراف رکوع ۲۲)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے تعداد کثیر تو جہنم ہی کے لئے پیدا کی ہے (کیونکہ) انکے دل تو ہیں لیکن وہ ان دلوں سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ ان کی آنکھیں بھی ہیں مگر ان سے نہیں دیکھتے۔ انکے کان بھی ہیں لیکن ان کانوں سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپاؤں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے

یہ وہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے
ہیں ٭

اس آیۂ شریفہ سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جنّ بھی انسان کی طرح ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو ارتقائے حیات کی منازل طے کر کے بے شعوری سے شعور کی حالت میں داخل ہو چکی ہے۔ اور انسان ہی کی طرح عقل و فہم اور دل و دماغ رکھتی ہے۔ انسان کی طرح دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان رکھتی ہے۔ جس طرح اکثر انسان اپنی آنکھوں، اپنے کانوں اور اپنے دماغوں سے کام لے کر عرفان الٰہی کے فرائض کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اسی طرح جنّوں میں بھی اکثر لوگ ان قوتوں سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ چوپاؤں اور حیوانوں کی سی بلکہ اس سے بھی بدتر زندگی بسر کرتے ہیں ٭

پھر سورۂ ہود رکوع ۱۰ میں مذکور ہے :-

وتمت کلمۃ ربك	اور اسی سے تیرے پروردگار کا
لاملئن جھنم من الجنۃ	یہ ارشاد پورا ہو کر رہے گا کہ میں
والناس اجمعین ۝	جنوں اور انسانوں سے دوزخ
	بھر دوں گا ٭

اور سورۂ السجدہ رکوع ۲ میں لکھا ہے :۔

ولو شئنا لآتینا کل نفس هداها ولکن حق القول منی لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعین	اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے مگر میرے اس قول کا حق پورا ہو کر رہنا ہے کہ میں جنوں اور آدمیوں ہی سے دوزخ پُر کروں گا ⁂

اسی طرح سورہ احقاف رکوع ۲ میں مذکور ہے :۔

اولئک الذین حق علیهم القول فی امم قد خلت من قبلهم من الجن والانس انهم کانوا خسرین ولکل درجت مما عملوا ولیوفیهم اعمالهم وهم لا یظلمون	یہی وہ لوگ ہیں جن پر دوسری قوموں کے ساتھ جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے ہو گذری ہیں ۔ فرمودۂ الٰہی پورا ہوا (کہ میں دوزخ کو ان سے بھر دونگا) بیشک وہ خسارہ پانے والے تھے ۔ ہر ایک کو ان کے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے ۔ یہ اس لئے ہوگا کہ انکو اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے ⁂

لہ تا لہ نوٹ دیکھو صفحہ ۲۰۴

سورۂ حٰم السجدہ رکوع ۳ میں مذکور ہے:۔

وحق علیھم القول فی امم	اور جو قومیں جنوں اور انسانوں
قد خلت من قبلھم من	کی ان سے پہلے ہو گذری ہیں ان پر
الجن والانس انھم	قول پورا ہوا اور بے شک یہ لوگ
کانوا خسرین۝	خسارہ پانے والے تھے۔

لے "تا تمت کلمۃ ربک اور القول سے مراد ذات باری تعالیٰ کا وہ ارشاد ہے جو ابلیس لعین سے اس وقت کہا گیا۔ جب اس نے یہ دعوٰے کیا کہ میں تیرے صالح اور مخلص بندوں کو چھوڑ کر باقی سب کو گمراہ کرونگا۔ ابلیس کے اس دعوٰے کے جواب میں حضرت باری تعالےٰ عزاسمہٗ نے فرمایا:۔ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ سورۂ ص رکوع ۵ (حضرت پروردگار نے کہا۔ ٹھیک ہے اور میں بھی سچی بات کہے دیتا ہوں۔ میں جہنم کو تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو تیری متابعت کریں گے بھر دونگا)۔

یہی ذکر سورۂ اعراف رکوع ۲ میں بھی ہے۔ جہاں ابلیس کو کہا گیا قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ (خدا نے کہا تو جنت سے ذلیل اور خوار ہو کر نکل جا اور انسانوں میں سے جو تیری متابعت کریں گے۔ میں ضرور ان سے اور تم سے جہنم کو بھر دونگا)

سطور مافوق میں جس قدر آیات قرآنی بیان کی گئیں۔ ان سے جنوں اور انسانوں کے حالات و کوائف کی مماثلت و یگانگت کا اظہار مقصود تھا۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے مقامات پر بھی جنوں اور انسانوں کا ذکر یکجا کیا گیا ہے۔ اور دونوں اقسام کی مخلوق کو ایک ہی قسم کے احکام و واردات کا مورد بنایا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ انعام رکوع ۱۶ میں یوم قیامت کی گفتگو کے ذکر کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

یمعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم ایتی وینذرونکم لقاء یومکم ھذا قالوا شھدنا علی انفسنا وغرتھم الحیوۃ الدنیا وشھدوا علی انفسھم انھم کانوا کفرین ہ	(پوچھا جائیگا کہ) اے جنوں اور انسانوں کے گروہ۔ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے کہ تم سے میری آیات بیان کریں اور تمہیں تمہارے اس دن کے لاقی ہونے سے ڈرائیں وہ کہیں گے ہم اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیتے ہیں۔ فی الواقعہ دنیا کی زندگی نے انکو دھوکے میں رکھا اور (آخرت میں) خود ہی انھوں نے اپنے آپ پر

گواہی دی کہ بے شک وہ کافر تھے

اس آیۂ شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانوں کی طرح جنوں میں بھی خدا کے پیغمبر آتے رہے ہیں۔ گویا اس امر میں بھی جنوں کی حالت انسانوں سے مختلف نہیں۔ سورۂ جن میں جنات کے حالات خود انہی کے اقوال میں ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی اقتصادی۔ ایمانی۔ دینی اور معاشرتی کیفیات پوری طرح انسانوں سے ملتی جلتی ہیں۔ مثلاً سورۂ جن کے رکوع ۱ میں جنوں کی اس ٹولی کا حسب ذیل قول مرقوم ہے جس نے قرآن پاک کی آیات سنیں اور ان پر ایمان لائے۔

وانا منا الصلحون و	اور ہم میں کچھ نیک لوگ بھی ہیں
منا دون ذلک کنا طرائق	اور کچھ ان کے سوا دوسری قسم
قددا ۝ و انا ظننا ان لن	کے بھی ہیں۔ غرض ہمارے بھی
نعجز اللہ فی الارض ولن	مختلف طریقے اور فرقے ہوتے
نعجزہ ھربا ۝ و انا لما	آئے ہیں اور اب ہم نے سمجھ لیا
سمعنا الھدی امنا بہ فمن	کہ ہم اللہ کو نہ تو زمین میں عاجز
یؤمن بربہ فلا	کر سکتے ہیں اور نہ بھاگ کر اسے

يَخَافُ بَخْساً وَّلَا رَهَقاً ۝ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝

ہرا سکتے ہیں اور ہم نے جب ہدایت کی بات سُنی ۔ تو اسے مان گئے ۔ پس جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لائے گا ۔ اس کو کسی قسم کے نقصان کا ڈر نہ ہوگا ۔ نہ کسی طرح کے زور و ظلم کا خوف ہوگا اور ہم میں سے بعض تو فرمانبردار بندے ہیں اور بعض سرکشی کرنے والے بھی ہیں پس جنہوں نے فرمانبرداری کی ۔ انہوں نے سیدھا راستہ ڈھونڈ نکالا ۔ رہے سرتابی کرنے والے پس وہ آخر کار دوزخ کا ایندھن بن گئے ۔

آیت متذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ جہاں تک معتقدات و مسائل دینی کا تعلق ہے ۔ جنوں کی حالت بھی انسانوں سے مختلف نہیں ۔ وہ بھی مختلف گروہوں اور فرقوں میں

بٹے ہوئے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ بھلے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں جو کفر و شرک اور عصیان و طغیان میں گرفتار ہو کر خدا کے احکام سے سرتابی کرتے ہیں اور کوشش کر کے دیکھ چکے ہیں کہ زمین میں یا دوسرے مقامات پر جا کر اللہ کو شکست دیں اور اس کی قدرت کاملہ کو عاجز کر دیں۔ انسانی کفار کے متعلق بھی قرآن پاک میں متعدد مقامات پر یہی الفاظ آئے ہیں کہ وہ اللہ کو شکست دینے اور اس کی قدرت کاملہ کو عاجز کرنے کے لئے کوشاں ہیں جس میں انہیں کامیابی نہ ہوگی مثلاً

والذین سعوا فی ایٰتنا معجزین اولئک اصحٰب الجحیم (سورہ الحج رکوع ۷)	جو لوگ ہماری آیات میں ہمیں شکست دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ دوزخی ہیں۔
ولا یحسبن الذین کفروا سبقوا انھم لا یعجزون ۞ سورۂ انفال رکوع ۸	اور کافر گمان نہ کریں کہ وہ ہم پر سبقت لے گئے وہ ہم کو ہرگز ہرا نہیں سکتے ۞
لا تحسبن الذین کفروا	(اے پیغمبر!) یہ گمان نہ کرنا کہ

مُعجزین فی الارض ۚ	یہ کافر زمین میں ہمیں تھکا دینگے
وماواھم النار ولبئس	انکا مستقر تو جہنم ہے اور بیشک
المصیر (سورہ النور رکوع ۷)	وہ بُرا مستقر ہے ؛
والذین سعوا فی اٰیٰتنا	اور جن لوگوں نے ہماری آیات
معٰجزین اولٰئک لھم	میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش
عذاب من رجز الیم ۝	کی۔ اُن کے لئے بڑی ہی تکلیف
(سورہ السباء رکوع ۱)	کا عذاب مقدر ہے ؛
والذین یسعون فی اٰیٰتنا	جو لوگ ہماری آیات میں ہمیں
معٰجزین اولٰئک فی العذاب	ہرانے کی کوشش کرتے ہیں
محضرون (سورۃ السباء رکوع ۵)	وہ عذاب میں گرفتار کئے جائینگے

پس اللہ کی قدرت کاملہ و مطلقہ کا مقابلہ کر کے اسے شکست دینے کی کوشش میں جنوں اور انسانوں کے سرکش لوگ یکساں طور پر مبتلا ہیں اور ایک دوسرے کو ورغلانے کے شیطانی فعل کے مرتکبین بھی جنوں اور انسانوں دونوں میں یکساں طور پر لوگ موجود رہتے ہیں۔ جن پر قرآن پاک کی حسب ذیل آیات شاہد و دال ہیں :-

وکذٰلک جعلنا لکل نبیّ عدوًّا اور اس طرح ہم نے انسانوں اور

شیٰطین الانس والجنّ یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا ط ولو شاء ربك ما فعلوہ فذرھم وما یفترون ۞

سورۃ انعام رکوع ۱۴

جنوں کے شیاطین کو ہر نبی کا دشمن بنایا اور ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتیں سکھلاتے ہیں۔ اگر تیرا پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس تو ان کو اور ان کی افترا بازیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔

وقال الذین کفروا ربّنا اَرِنَا الَّذِیْنَ اَضَلّٰنا من الجنّ والانس نجعلھما تحت اقدامنا لیکونا من الاسفلین۔

حم السجدہ رکوع ۴

اور (قیامت کے روز دوزخ میں جاکر) کافر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں ایک نظر جنوں اور انسانوں کے وہ لوگ دکھا دے۔ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ ہم آج ان دونوں گروہوں کے شیاطین کو اپنے پاؤں تلے ڈال دیں تاکہ وہ خوب ہی ذلیل ہوں

الغرض حضرت انسان کی جس کیفیت کو بھی لیا جائے۔ اس میں جنّات برابر کے شریک ہیں اور کسی حال میں بھی ان

سے الگ نظر نہیں آتے ۔ قرآن حکیم کے نصائص جو اوپر بیان
کئے گئے ۔ اس امر پر شاہد و دال ہیں کہ جنات کی زندگی انسانوں
کی زندگی کے ساتھ بہت بڑی حد تک متماثل ہے ۔ دونوں
ایک ہی قسم کے ماحول اور ایک ہی قسم کے واردات کے تختۂ
مشق ہیں ۔ دونوں کے سامنے ایک ہی قسم کے مسائل درپیش
ہیں اور دونوں کی معاشرتی ترقیاں ایک ہی قسم کے نتائج
برآمد کر رہی ہیں ۔ دونوں کا انجام یکساں ہے اور دونوں
گروہ قیامت کے دن اور اس کے بعد دوزخ میں اور
بہشت میں جمع ہونے والے ہیں ۔ شاید یہی وجہ ہے ۔ کہ
اکثر لوگ جنّات کو بھی نوع انسانی ہی کا ایک گروہ قرار دینے
کی غلطی کے مرتکب ہو بیٹھے ہیں اور مختلف قسم کی لاطائل تاویلات
سے کام لے کر یہ ثابت کرنے لگتے ہیں کہ قرآن حکیم میں
جنات سے ایسے انسان مراد دیئے ہیں ۔ جو چھپ چھپا کر
قرآن کریم کو سنا کرتے تھے ۔ اور علی الاعلان زمرۂ مسلمین
میں شامل نہیں ہوتے تھے یا پہاڑوں پر رہنے والے قوی
الجثہ لوگ تھے ۔ جن کو لوگ جن کہا کرتے تھے ۔ ایسی باتیں
کہنا قرآن پاک کے مضامین کے ساتھ تضحیک واستہزاء

کرنے سے کم نہیں۔ قادیانی فرقہ کے لوگ اس مرض کا شکار ہو کر راہِ ہدایت سے دُور جا پڑے ہیں اور اپنی بے بصیرتی اور علمی اور عرفانی بے مایگی کے باعث آیات اللہ میں اپنے حسب منشا تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ اگر جنوں سے قرآن کی مراد ڈھکے چھپے انسانوں ہی کی تھی تو ہر موقعہ پر اس قدر تحدی کے ساتھ ان کا ذکر نہ کیا جاتا اور معشر الجن کو معشر الانس سے متمیز کر کے دکھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا پیغام کرۂ ارضی کے تمام انسانوں کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک اور ان کے دہان مبارک سے نہیں پہنچا اور فدا کار مسلمانوں کی جس جماعت کو آپ نے تیار کیا تھا۔ اس کے ذمہ یہ فرض لگا دیا گیا تھا کہ وہ تمام سطح ارضی پر دین اسلام کا پیغام لے جائیں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں۔ جب تک فتنہ و فساد مٹ نہ جائے اور دین تمام کا تمام صرف اللہ کے لئے نہ ہو جائے (حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ) قرآن حکیم نے کسی مقام پر انسانوں کے مختلف گروہوں کو الگ الگ نام لے کر نہیں پکارا۔ اسود و احمر کی تمیز نہیں کی۔ سا ہیوں۔

حامیوں اور یافثیوں کے لیئے الگ الگ خطاب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ بلکہ سب کو معشر الانس کہہ کر پکارا۔ پھر اگر معشر الجن بھی انسانوں ہی کے ایک گروہ کا نام سمجھا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ اس کو ہر موقع پر انسان کے ساتھ ایک الگ گروہ کے طور پر بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ پس قرآن کے اس انداز خطاب ہی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جن مخلوقات خداوندی کی دوسری نوع کا نام ہے جس کے حالات ذی شعور و ذی افئدہ و ذی بصر و ذی سمع وغیرہ ہونے کے اعتبار سے۔ نیز عقاید و اعمال و ایقان و عرفان کی واردات کے لحاظ سے نوع انسان کے ساتھ متماثل ضرور ہیں۔ لیکن خود وہ بنی آدم نہیں۔ جنوں کے ایک الگ نوع ہونے پر خود قرآن حکیم کی آیات بھی بیانگ دہل شہادت دے رہی ہیں۔

سورۂ الرحمٰن میں ہے:-

خلق الانسان من صلصال	اسی خدا نے انسان کے جد امجد
کالفخار ۝ وخلق الجان	کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتے ہوئے
من مارج من نار ۝	گارے سے پیدا کیا اور جنات

کے (جدامجد) کو آگ کی لُو سے خلق کیا ۔

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون ۝ والجان خلقنٰه من قبل من نار السموم ۝

اور ہم کالے اور سڑے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر کھن کھن بولنے لگتا ہے۔ انسان کی تخلیق عمل میں لائے اور جنات کو تو ہم پہلے ہی آگ سے پیدا کر چکے تھے ۔

اِن آیات سے اور اسی قبیل کی دوسری آیات سے جن میں ابلیس کے وہ اقوال بھی شامل ہیں کہ خلقتنی من نار و خلقتہٗ من طین (تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا) یہ ظاہر ہے کہ جنات انسان سے مختلف اور ایک دوسری نوع کا نام ہے ۔ کیونکہ ابلیس کے متعلق بھی صریح طور پر قرآن پاک میں مذکور ہے کہ انہٗ کان من الجن (بیشک وہ جنوں میں سے تھا)۔ جنوں اور انسانوں کے موجودہ حالات خواہ کتنے ہی متماثل کیوں نہ ہوں اور حیات کے ارتقائی عمل نے اِن دونوں نوعوں کو خواہ کتنی بڑی حد تک حالات و کوائف

بلکہ قوائے حسیّہ و فکریّہ کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب لا کھڑا کیا ہو۔ لیکن بہ لحاظ تخلیق و عمل تخلیق وہ بالکل مختلف ہیں۔ ایک کی تخلیق کی ابتدا کالے اور سڑے ہوئے گارے سے ہوتی ہے جو لاکھوں سالوں کے ارتقائی عمل میں سے گذرنے کے بعد اس قابل ہوا ہے کہ انسان کہلائے اور ملائکہ اس کے سامنے سجدہ کریں پروردگار عالم اسے اپنے خطاب کا مستحق ٹھہرائے وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ الاعراف رکوع ۲ (ہم نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تمہاری انسانوں جیسی شکل و صورت بنائی۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ اب انسان کو سجدہ کرو) دوسری نوع کی تخلیق اس سے بہت پہلے آگ سے عمل میں لائی جا چکی تھی اور وہ بھی غالباً ارتقائی عمل ہی سے گذر کر عقل و شعور کی منزل تک پہنچ چکی تھی۔ بلکہ اس نوع کے ایک فرد میں شعور کی انانیت اس حد تک پیدا ہو چکی تھی، کہ اس نے اس دوسری نئی مخلوق کے سامنے سر جھکانے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اس کی تخلیق مٹی سے عمل میں لائی گئی۔ لیکن نزول قرآن کے وقت ان ہر دو انواع کے افراد کی حالت عمومی میں بڑی حد تک مماثلت پیدا ہو چکی ہے جس

پر میں سطور ا فوق میں نصائص قرآنیہ سے روشنی ڈال چکا ہوں ؂

جنّات کا مسکن اور ان کی ماہیت

متذکرہ صدر نصائص قرآنیہ کی موجودگی میں کسی مسلمان کو اس امر سے مجال انکار نہیں ہو سکتی کہ جنّ پروردگار عالم کی پیدا کی ہوئی ایک ذی حس اور ذی شعور مخلوق کا نام ہے جو بلحاظ عمل تخلیق انسان سے مختلف واقع ہوئی ہے۔ لیکن حالات و کوائف کے اعتبار سے اس کے ساتھ اس حد تک متماثل ہے کہ اسے بھی قرآن پاک میں نوع بشر کے ساتھ ساتھ مخاطب کرنا ضروری تصوّر کیا گیا ہے۔ گویا قرآن حکیم جو نوع انسانی کے لئے رشد و ہدایت تام کا کامل و مکمل سرچشمہ ہے۔ جنّوں کے لیئے بھی فوز و فلاح اخروی کا آخری پیغام ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مخلوق جس کے نام ہی سے یہ ظاہر ہے کہ وہ انسانوں کی نظر سے اوجھل ہے کائنات ارضی و سماوی کے کس گوشے میں آباد ہے۔ آیا نوع بشر کی طرح یہ نوع بھی کرۂ ارضی پر اپنا بسیرا کرتی ہے اور اگر نہیں رہتی

ہے تو کیا وجہ ہے ۔ کہ اس کے افراد نوع انسانی کے افراد سے
متصادم نہیں ہوتے ۔ ان کے حالات و انتظامات میں کسی
قسم کی مداخلت نہیں کرتے ۔ اور جس طرح انسان موجودات
ارضی پر کلی اقتدار حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہے ۔ وہ
کوشاں نہیں ہوتے ۔ بلکہ خود انسان کو مغلوب بنانے کی سعی
نہیں کرتے ۔ نوع انسانی کو اپنے علمی مشاہدات میں آج تک
کسی ایسی نوع سے واسطہ نہیں پڑا ۔ جو اس کی طرح ذی
فہم و ذی شعور ہو اور انسان کرۂ ارضی کی تمام موجودات
پر کوس لمن الملکی بجا رہا ہے ۔ جن اشیاء پر اس کرۂ ارضی میں
اسے ابھی پورا پورا تصرف و اقتدار حاصل نہیں ہوا ۔ ان کو
قابو میں لانے کے لئے کامیاب جدوجہد کر رہا ہے اور اس
کوشش میں ہے کہ اپنے کو صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ فی الارض
بنا لے ۔ اگر انسان ہی کی طرح کی کوئی دوسری ذی شعور مخلوق
اس کرۂ ارضی پر موجود ہوتی تو وہ لازمی طور پر اسی طریق سے
انسان پر اپنا اقتدار جمانے کی کوشش کرتی ۔ جس طرح کہ
انسان نے حیوانات کو اپنے قابو میں کر لیا ہے اور انسان
یہ کوشش کرتا ہے کہ اسے اپنے دام تسخیر میں لے آئے ۔

دونوں کے درمیان برابر کا مقابلہ ہوتا اور صورت حال بعینہٖ اسی طرح کی ہو جاتی - جس طرح کہ انسانوں کی مختلف جماعتیں ایک دوسرے پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے آپس میں مصروف جدال و قتال رہتی ہیں - ان حالات کے ہوتے ہوئے ذہن کا اس امر کی جانب منتقل ہو جانا بعید از اغلب نہیں کہ شاید جنات کسی دوسری دنیا کی ذی شعور مخلوق کا نام ہو جس کا مسکن سیارگان عالم میں کوئی اور کرہ ہو - جنات کے کسی دوسرے کرّہ کی مخلوق ہونے کے امکانات پر غور کیا جائے تو سارا مسئلہ قرین الفہم ہو جاتا ہے لیکن قیاسات کے گھوڑے دوڑانے سے پیشتر یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا نصائص قرانیہ میں جنات کے مسکن کے متعلق بعض اشارات موجود ہیں یا نہیں جو اس بارہ میں فکر انسانی کی رہنمائی کر سکتے ہیں - سورۂ جن میں جہاں جنوں کی اس جماعت کے اقوال بیان کئے گئے ہیں جو قرآن حکیم کے متن کو سن کر ایمان لائے - وہاں یہ آیت بھی موجود ہے :-

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا ۙ

اور ہم نے آسمان کی بلندیوں کو جا کر ٹٹولا تو ہم نے اس کو زبردست

وَّ انّا کنّا نقعد منہا مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد لہٗ شہابا رّصدا ٥ وّ انّا لا ندری اشرّ ارید بمن فی الارض ام اراد بہم ربہم رشدا ٥

پہروں اور تاری گرّوں سے بھرا ہوا پایا - اور ہم پہلے آسمان کی بلندیوں سے آوازیں سننے کے لئے سننے کے ٹھکانوں میں بیٹھا کرتے تھے لیکن اب اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اپنے لئے شہاب کو تیار پاتا ہے - اور ہم نہیں جانتے کہ آیا اس کے لئے جو زمین میں ہے - برائی مقدر ہو چکی ہے - یا ان کا پروردگار ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے ٭

اس آیت شریف میں مطالب و معانی کے جو فراواں ذخائر موجود ہیں - اُن پر آگے چل کر روشنی ڈالی جائے گی - سر دست اس آیت کے تذکار سے یہی دکھلانا مقصود ہے - کہ جنوں نے اپنے آسمانی تجارب بیان کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ہمیں ملاء اعلیٰ کی باتیں سننے کی کوشش میں پوری کامیابی نہیں ہوئی - کیونکہ جب ہم ایسا کرتے ہیں تو اوپر سے شہاب برسنے

لگئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ بمن فی الارض یعنی اس نوع کے لئے جو زمین میں ہے۔ اس قسم کی کوشش کے سلسلہ میں خدائے بزرگ و برتر کو کیا منظور ہے۔ آیا اسے بھی ناکامی کا سامنا ہوتا ہے یا اس معاملہ میں انکا پروردگار ان کے لئے بھلائی کا خواہاں ہے ⁂

بمن فی الارض کا اشارہ نوع انسان کی طرف ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ جنات فی الارض یعنی زمین پر نہیں بلکہ کسی دوسری جگہ مسکن رکھتے ہوئے انسان کو من فی الارض کے ضمیر نکرہ سے یاد کر رہے ہیں اگر وہ اسی کرۂ ارضی پر ہوتے تو نوع انسانی کے ساتھ ارض کی تخصیص نہ کرتے۔ عبارت قرآنی کے اسی اشارہ سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جنات زمین پر نہیں بلکہ کائنات کے کسی دوسرے گوشہ سے باتیں کر رہے ہیں ⁂

پھر سورۂ الرحمٰن میں جس کا خطاب براہِ راست جنوں اور انسانوں دونوں انواع کی مخلوقات سے ہے یہ آیت آئی ہے :-

ربّ المشرقین ورب المغربین دو مشرقوں اور دو مغربوں کا

پروردگار ٭

مشرقین اور مغربین کے صیغہ تثنیہ پر غور کیجئے اور اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رکھئے کہ اس سورۃ پاک میں جنوں اور انسانوں کے دو مختلف گروہوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ تو لازمی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ ایک مشرق و مغرب تو انسانوں کا اور دوسرا جنوں کا مراد ہے اور دونوں نوع کی مخلوقات کا مشرق و مغرب مشترک نہیں۔ اگر مشترک ہوتا تو قرآن پاک کو صیغہ تثنیہ لانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ظاہر ہے۔ مشرقین اور مغربین اسی صورت میں بن سکتے ہیں۔ جب جنات کا کرہ کوئی دوسرا ہو۔ جس پر سورج اسی طرح طلوع ہوتا اور غروب ہوتا ہو جس طرح کہ زمین پر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں پروردگار عالم کی صفت کو رب المشارق والمغارب بیان کی گئی ہے جس کی لپیٹ میں نظام شمسی کے وہ تمام کرے آجاتے ہیں۔ جن پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے لیکن سورۃ الرحمٰن میں مشرقین و مغربین کہنے کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ان دو ذی فہم انواع کے مشرق و مغرب کا تذکرہ کیا جائے۔ جن سے خطاب کیا گیا ہے ٭

دوسرے کرّوں پر حیوانی زندگی کے امکانات

اب ذرا زمانہ حاضر کی علمی تحقیقات کو سامنے رکھ کر
اس امر کے امکانات پر غور کیجئے کہ آیا دوسرے اجرامِ فلکی پر
حیات کی تخلیق اور اس کا نشوو ارتقا ممکن ہے یا نہیں۔
فلکیات کے سلسلہ میں انسان کے تازہ علمی مشاہدات ظاہر
کرتے ہیں کہ نظامِ شمسی میں کم از کم ایک سیارہ یعنی مریخ
ایسا نظر آ رہا ہے جس پر حیات یعنی زندگی کا وجود ممکن
بلکہ اغلب ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے سیاروں
کے متعلق بھی شبہ کیا جا رہا ہے کہ وہاں بھی حیوانی اور نباتی
زندگی کے امکانات موجود ہیں یا آئندہ چل کر پیدا ہوسکتے
ہیں۔ کرۂ مریخ کے متعلق تو علمی شواہد و نظریات کی بنا پر
یہاں تک شبہ کیا جا رہا ہے کہ وہاں بھی حیوانی اور نباتی
زندگی کے امکانات موجود ہیں یا آئندہ چل کر پیدا ہوسکتے
ہیں۔ کرۂ مریخ کے متعلق تو شواہد و نظریات کی بنا پر یہاں
تک شبہ کیا جا رہا ہے کہ شاید وہاں کی حیوانی زندگی کرۂ
ارضی کی حیوانی زندگی سے زیادہ ترقی یافتہ ہو اور اس

حیات نے اپنے ارتقا کی منازل طے کر کے فہم و شعور رکھنے والی ایسی مخلوق کی صورت اختیار کر لی ہو۔ جس کی عمرانی اور معاشرتی ترقیات انسان سے کئی زمانے پیش پیش ہوں۔ کرۂ مریخ پر کی نباتات کے آثار اور دریاؤں سے نکلنے والی نہروں کی تصاویر حاصل کی جا چکی ہیں اور انہی آثار سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے۔ کہ وہاں کی ترقی یافتہ اور فہم و شعور رکھنے والی مخلوق کم و بیش انسان کی طرح متمدن ہو چکی ہے۔ جب ہم خود حضرت انسان کی تخلیق اور اس کے ارتقائی مدارج پر غور کرتے ہیں اور علمی تحقیقات سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ بعض دوسرے اجرام فلکی پر بھی ایسے ماحول کا پیدا ہو جانا ممکن الوقوع ہے کہ وہاں حیوانی زندگی وجود میں آتے اور ارتقائی منازل کو طے کرتی چلی جائے۔ تو اس امر کے سمجھ لینے میں کسی قسم کی دقت پیش نہیں آسکتی کہ کسی نہ کسی ستارہ پر ضرور ایسی مخلوق موجود ہو سکتی ہے جو انسان کی طرح فہم و شعور رکھنے والی ہو اور جس کے حالات انسان کے حالات سے متماثل ہوں۔ سماوات یعنی اجرام فلکی میں حیوانی زندگی کے موجود ہونے کی خبر خود قرآن کریم نے بھی

سنائی ہے۔ سورۂ الشوریٰ کی رکوع ۳ میں مذکور ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ	اور اس (خدائے قدیر) کی نشانیوں میں سے اجرام فلکی اور زمین کا پیدا کیا جانا اور ان جانداروں کا وجود میں آنا بھی ہے جو ان میں پھیل رہے ہیں۔

پھر سورۂ الرحمٰن میں مذکور ہے :۔

یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔	جو کوئی کہ اجرام فلکیہ میں اور زمین میں ہے۔ اسی سے سوال کرتا ہے ؛

اس آیت میں مَن کی ضمیر پہ غور کیجئے۔ جو عربی زبان میں ذی شعور مخلوق کے لئے استعمال ہوتی ہے تو واضح ہو جائیگا کہ سماوات میں بھی ارض کی طرح ایسی مخلوقات موجود ہے جو انسان کی طرح ذی شعور ہے ؛

اِن تصائص کے پیش نظر اس نتیجہ پہ پہنچنا بعید از قیاس متصور نہیں کیا جا سکتا۔ کہ معشر الجن کی قرآنی اصطلاح سے حضرت باری تعالیٰ کی وہ مخلوق مراد ہے جو کرۂ ارضی

کے سوا کسی دوسرے جرم فلکی پر حضرت انسان کی طرح فہم و شعور کا حلّہ زیب تن کر چکی ہے۔ اس لئے اس پر بھی احکام خداوندی کی بجا آوری فریضۂ قدرت کے طور پر لازم ہو چکی ہے اگر اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے۔ جسکا استنباط خود آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے تو ان آیات کے سمجھنے میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے جو جنات کے متعلق قرآن حکیم میں مذکور ہیں اور ان آیات سے یہ بھی مترشح ہو جاتا ہے کہ دوسرے اجرام فلکی کے باشندے کس حد تک ترقی کر چکے ہیں اور ان کے ہاں کونسے مسائل درپیش ہیں۔

جنوں کی ترقیات علمی و عرفانی

متذکرہ صدر نتیجہ کو پیش نظر رکھنے کے بعد اب ذرا سورۂ جنّ کی ان آیات پر غور کیجئے۔ جن میں جنّات کے متعلق بعض امور کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ فرمایا گیا ہے :-

قل اوحی الیّ انّہ استمع نفرٌ من الجنّ فقالوا انا	اے پیغمبر (سب کو) جتادو - کہ مجھے وحی کے ذریعہ سے خبر دی گئی

سمعنا قرانًا عجبًا یھدی
الی الرشد فاٰمنا بہٖ
ولن نشرک بربنا احدًا
وانہٗ تعالیٰ جدُّ ربنا
ما اتخذ صاحبۃً ولا ولدًا
وانہٗ کان یقول سفیھنا
علی اللہ شططًا وانا ظننا
ان لن تقول الانس والجن
علی اللہ کذبًا وانہٗ کان
رجال من الانس یعوذون
برجال من الجن فزادوھم
رھقًا وانھم ظنوا
کما ظننتم ان لن یبعث
اللہ احدًا وانا لمسنا
السمآء فوجدنھا ملئت
حرسًا شدیدًا وشھبًا
وانا کنا نقعد منھا مقاعد

ہے کہ جنات کی ایک ٹولی نے
(مجھے قرآن پڑھتے) سُنا اور کہا کہ
ہم نے ایک عجیب طرح کا قرآن
سُنا جو نیک راہ کی طرف ہدایت
کرتا ہے۔ پس ہم ان سب پر
ایمان لے آئے اور ہم تو کسی کو
اپنے پروردگار کا شریک نہیں
ٹھہرائیں گے اور ہمارے پروردگار
کی شان بڑی بلند ہے۔ اس نے
نہ تو کسی کو اپنی جورو بنایا اور نہ
کسی کو بیٹا بیٹی۔ بے شک ہمارے
احمق لوگ خدا کی نسبت طرح طرح
کی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم
گمان کیا کرتے تھے کہ کیا انسان
کیا جن کوئی خدا پر جھوٹ کیوں بولنے
لگا تھا۔ اور انسانوں کے کچھ افراد
سے پناہ لیا کرتے تھے۔ پس جنوں

للسمعؕ فمن یستمع الآن یجد لہٗ شہاباً رصداًۙ وانا لا ندری اشرٌّ ارید بمن فی الارض ام اراد بہم ربہم رشداًۙ

کا غرور اس امر سے اور بھی بڑھ گیا تھا اور وہ آدمی بھی تم جنوں کی طرح یہ گمان رکھتے تھے کہ اللہ کسی کو پیغمبر بنا نہیں بھیجے گا اور ہم نے آسمانوں کو ٹٹولا تو اسے بڑی مضبوط چوکیوں اور ناری کُرّوں سے بھرا ہوا پایا اور ہم پہلے تو آسمان سے باتیں سننے کے لئے سننے کے ٹھکانوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن اب کوئی ایسا قصد کرتا ہے تو اپنے لئے شہاب کا گولہ تیار پاتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ جو کوئی کہ زمین میں ہے اس کے لئے بُرائی مقدر کی گئی ہے یا اُن کا پروردگار ان کے لئے بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے ؛

اِن آیات سے جن نتائج کا استنباط کیا جا سکتا ہے وہ

یہ ہیں کہ جنّوں کی ایک ٹولی نے قرآن پاک کو سُنا اور وُہ سننے کے بعد اس پر ایمان لے آئے۔ ساتھ ہی اُنہوں نے دوسرے جنّوں کو بتایا کہ ہم نے ایسا قرآن سُنا ہے۔ جو رشد و ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جنّوں کے اقوال سے ظاہر ہے کہ قرآن سننے سے قبل عام جنوں کی ایمانی حالت بہت ناقص تھی اور وہ خدا کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے تھے۔ اس پر جھوٹ باندھتے تھے۔ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا پیغمبر بنا کر نہیں بھیجے گا۔ قرآن کی تعلیم نے انکے اِن خیالات کی تردید کر دی اور انہیں معلوم ہو گیا۔ کہ انسانوں میں خدا کا آخری پیغمبر جو جنّوں اور انسانوں کے لئے مکمل دین لے کر آیا ہے مبعوث ہو چکا۔ اِس سلسلہ میں یہ امر بہت زیادہ قابلِ غور ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنّوں کے قرآن سُننے اور ایمان لانے کی خبر وحی کے ذریعہ سے دی گئی۔ یعنی عام بشری کیفیات و حسیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ انسانوں کے علاوہ خدائے بزرگ و برتر کی کوئی اور مخلوق

بھی ان کے پیغام سے مستفیض ہو رہی ہے ۔ اس مخلوق کے جن لوگوں نے قرآن پاک کو سنا ہے ۔ وہ اپنی نوع کے اندر دین اسلام کے مبلغ بن گئے ہیں ۔ جنوں کی اس ٹولی کے قرآن سننے کے متعلق قرآن حکیم میں بعض دوسرے مقامات پر بھی تذکار موجود ہیں ۔ مثلاً سورۂ احقاف رکوع ۴ میں آیا ہے

واذ صرفنا الیک نفرا	اور (یاد کر) جب ہم نے تیری
من الجن یستمعون القرآن	طرف جنّوں کی ایک ٹولی کو متوجہ
	کر دیا اور وہ قرآن سننے لگے ۔

اگر جنات کو کرۂ ارضی کی کوئی غیر مرئی مخلوق تصور کیا جائے تو بھی ان کی ایک ٹولی کے لئے قرآن پاک کی تعلیم سے استفادہ کرنا ممکن ہو سکتا ہے ۔ ایک ٹولی تو کیا بجز تو یہ امکان بھی موجود ہے کہ ان کے جوق در جوق خبر ملنے کے بعد اپنے کانوں سے قرآن سننے کے لئے حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے ۔ کیونکہ انسان کی آنکھیں انہیں دیکھ نہیں سکتی تھیں ۔ لیکن قرآن پاک میں اس امر کا تذکرہ کہیں موجود نہیں ۔ اگر جنات کو کسی دوسرے کرّے کی ذی شعور مخلوق تصور کیا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ ان کی ایک ٹولی نے

قرآن کیسے سُنا - آیا وہ ٹولی کرۂ ارضی پر آئی تھی اور یہاں
سے ایمان کی برکات لے کر اپنے لوگوں میں واپس گئی - تدبّر
و تفکّر سے کام لیا جائے تو ان کا جواب خود متذکرہ صدر
آیات میں موجود ہے - جنات کہتے ہیں کہ ہم نے ملاء اعلیٰ
کی آوازیں سننے کے لئے مقاعد للسمع یعنی آوازیں سُننے کے
ٹھکانے بنا رکھے ہیں اور ہم ان ٹھکانوں میں بیٹھ کر دُور
دُور کی آوازیں سُنا کرتے تھے - اسی اشارہ میں متذکرہ
صدر سوالات کا جواب بھی موجود ہے اور یہ بھی پایا جاتا
ہے کہ دوسرے کرّے کی ذی شعور آبادی کی عمرانی اور علمی
ترقیات کس حد تک پہنچ چکی ہیں - ظاہر ہے کہ اس کرّے
کے باشندوں کو آج سے صدہا سال پیشتر دُور دُور کے
مقامات کی آوازیں سننے کا کوئی سائنٹیفک طریق معلوم
ہو چکا تھا اور اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے ہاں آوازیں
سننے کی رصد گاہیں تعمیر کر رکھی تھیں - جن کو قرآن پاک مقاعد
للسمع کی فصیح و بلیغ اصطلاح سے یاد کیا گیا ہے - آوازیں
سننے کے ٹھکانے یعنی مقاعد للسمع عصر حاضر میں کرہ ارضی پر بھی
حضرت انسان کے ہاتھوں سے تعمیر ہونے لگے ہیں - ریڈیو

کے اصول کی دریافت نے انسانی تمدّن میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا ہے اور اس کے سامنے ترقیات کا ایک بالکل نیا میدان کھل گیا ہے۔ اب ہم لاہور میں بیٹھ کر ماسکو۔ لندن۔ پیرس اور نیویارک تک کی آوازیں سننے کا انتظام کر سکتے ہیں اور ہم نے بھی اس مقصد کے لئے مقاعد للسّمع یعنی ریڈیو سٹیشن تعمیر کر رکھے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی دوسرے ملک کے ذی عقل باشندے جنہیں جنات کہا گیا ہے۔ اب سے بہت عرصہ پہلے اِن مراحل کو طے کر چکے ہوں۔ جن میں سے انسان اب گذر رہا ہے اور انہوں نے صدائیں سننے کی ایسی رصد گاہیں تعمیر کر رکھی ہوں جو کائنات کی فضا میں منتشر ہونے والی اور کبھی ختم نہ ہونے والی آوازوں کو حاصل کر کے اُن کے کانوں تک پہنچا سکتی ہوں۔ علم الاصوات سے معمولی سی آگاہی رکھنے والے لوگ بھی جانتے ہیں کہ ہر صدا ہوا میں اور ہوا کے بعد ایتھر کی لامتناہی فضاؤں میں جو کائنات ارضی و سماوی پر حاوی ہیں۔ ایک کبھی فنا نہ ہونے والا تموّج پیدا کر دیتی ہیں اور اگر ایسے آلات ایجاد ہو جائیں جو اس تموّج کا اثر قبول کرنے والے ہوں تو اس کائنات کے ہر نقطہ پر

ہر آواز کو ہر وقت سُنا جا سکتا ہے۔ جنّات کے مقاعد للسّمع تعمیر کرنے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بھی مذکور ہے کہ ان رصدگاہوں میں بیٹھ کر ملاءِ اعلیٰ کی باتیں سُنا کرتے تھے۔ پس عین ممکن ہے کہ جنوں کی ٹولی نے قرآن پاک کی آیات بھی اسی قسم کی کسی رصدگاہ میں بیٹھ کر سنی ہوں اور قلمبند کر کے اپنے ہم نوع جنوں میں پھیلا دی ہوں اور اس طریق سے خدائے بزرگ و برتر کا آخری پیغام اس کی اس مخلوق تک بھی پہنچ گیا ہو جو کسی دوسرے کرّے پر آباد ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اس تذکار سے حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ و سلم کی شان رحمۃ للعٰلمینی اور انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی کیفیت بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ امر بھی پایۂ تحقیق کو پہنچ جاتا ہے کہ پروردگارِ عالم کی سمجھ اور بوجھ رکھنے والی مخلوق خواہ کائنات کے کسی کرّہ پر آباد ہو۔ وہ آخری فوز و فلاح کے لئے اسی قرآن پاک کی تعلیم کی محتاج ہے۔ جو کرّۂ ارضی کے ایک انسان حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) پر نازل ہوئی ؛

دوسرے کرے کے باشندوں یعنی جنوں کے متعلق ہمیں

وحی کے ذریعہ سے یہ خبر بھی سنائی گئی ہے کہ وہ آسمان کی بلندیوں کو کنگھالنے کی کوشش بھی کر چکے ہیں اور انہیں کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جنات کی علمی ترقی انسان کی علمی ترقی سے پیش پیش ہے۔ انسان نے اب آ کر ہوا میں پرواز کا فن حاصل کیا ہے۔ اور آسمان کی بلندیوں کو کنگھالنے یا ٹٹولنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ یہ اور بات ہے کہ انسان مقاصد للبصر یعنی دوربینی کی رصدگاہوں کی وساطت سے کائنات سماوی کا مطالعہ کر رہا ہے۔ ابھی اسے ان بلندیوں کی موجودات سے مس کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوتی یہی وہ شے ہے۔ جس کی طرف جنات کی ٹولی نے اشارہ کیا ہے اور کہا کہ ہمیں یعنی نوع جنات کو تو آسمان کی فضاؤں سے مداخلت کرنے کے امر میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ آسمان کی بلندیاں شدید پہروں کے موانع اور ناری کرّوں کے شعلوں سے بھری

بڑھی ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ آیا انسان کو اپنی ترقیات میں
اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو سکے گی یا نہیں کہ وہ اِن
موانع پر غالب آکر اور شہاب ہائے ثاقب سے بچنے کے طریق
سے آگاہ ہو کر اسرار سماوی کو معلوم کر سکے۔ اس اشارہ سے
یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے کرّے کے ذی شعور اور ترقی
یافتہ باشندے صدیوں پہلے سے اپنے کرہ کی محدود فضاؤں
سے باہر نکل کر آسمان کی بلندیوں میں نفوذ کرنے کی کوشش کر رہے
ہیں اور ساعی ہیں کہ مَن فی الاَرض سے راہ و رسم پیدا کریں
انہیں اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ کرۂ ارضی پر بھی ان ہی
کی طرح کی ایک ذی شعور مخلوق پرورش پا رہی ہے وہ اس
مخلوق کی آوازیں سننے میں بھی کامیاب ہو چکے ہیں۔ اور یہ
بھی جان چکے ہیں کہ کرۂ ارضی کی مخلوق عرفان ربّانی کے معاملہ
میں ان پر فوقیت لے گئی ہے۔ کیونکہ خدا کا آخری پیغام اسی
زمین پر نازل ہوا اور یہاں سے منتقل ہو کر اُن کے کرے پر
گیا۔ علمی ترقیات کے سلسلے میں ان کا تجربہ جس سے انسان کو
فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ ظاہر کرتا ہے کہ آسمانی فضاؤں
کے ساتھ کسی قسم کی مداخلت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ

شہاب ہائے ثاقب تعاقب کرنے لگتے ہیں اور ان فضاؤں کی کیفیت ایسی ہے کہ ان میں نفوذ کرنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ اقطار السمٰوات والارض میں نفوذ کرنے کے متعلق سورہ الرحمٰن کی اس آیت میں اشارہ موجود ہے :-

یٰمعشر الجنّ والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطٰن ۔ فبایّ الاء ربکما تکذبان ۔ یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس فلا تنتصران ۔	اے گروہ جن وانس ۔ اگر تم سے ہو سکے ۔ کہ اجرام فلکی اور زمین کی قطاروں میں سے نفوذ کر کے آگے نکل جاؤ ۔ تو ایسا کر دیکھو۔ تم ایسا نہیں کر سکو گے مگر سلطان حاصل کرنے کے بعد پس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے ۔ تم پر دھوئیں والی اور بے دھوئیں کی آگ برسائی جائے گی ۔ جس کو تم دفع نہ کر سکو گے ۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اقطار السمٰوات والارض سے نفوذ کر کے آگے نکل جانے کی کوشش میں یہ امر حائل ہے ۔ کہ

وہاں قدم قدم پر آگ کے شعلے برستے ہیں۔ جن پر قابو پانے کا طریق یہ ہے کہ وہ طاقت حاصل کی جائے۔ جیسے "سلطان" کے لفظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جنّات یعنی دوسرے کرّے کے باشندے یہ تجربہ کر چکے ہیں کہ اوپر جانے کی کوشش میں شہاب ہائے ثاقب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یعنی انسان کو یہ تجربہ نہیں ہوا کیونکہ اس کی علمی ترقی ابھی بہت پیچھے ہے۔ جنوں اور انسانوں کے آنے والی نسلیں اس امر کا جواب دینگی کہ آیا وہ اس طاقت وکیفیّت کو حاصل کرنے کی اہل بن گئی ہیں یا نہیں۔ جیسے "سلطان" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حاصل کلام

سماوات یعنی اجرام فلکیہ میں جانداروں اور چوپاؤں بلکہ ذی فہم وذی شعور مخلوق کا موجود ہونا نصائص قرآنیہ سے ثابت ہے اور جنات کے متعلق بھی اس امر کے صریح نصائص موجود ہیں کہ وہ بھی انسان ہی کی طرح کی ایک ذی فہم اور ذی شعور مخلوق ہے۔ جس کی علمی ترقیات انسان کی

علمی ترقیات سے پیش پیش ہیں۔ لیکن عرفانی امور میں انسان اس پر فوقیت لے گیا ہے۔ اِن خصائص کی موجودگی میں جو اُوپر بیان کی جا چکیں۔ اگر یہ نتیجہ استنباط کیا جائے۔ کہ قرآنِ پاک میں جس معشر الجن کا ذکر کیا ہے۔ وہ کسی دوسرے کرۂ کی ارتقا یافتہ ذی فہم و ذی شعور مخلوق ہے تو کسی لحاظ سے بھی بعید از قیاس امر نہیں ہو سکتا۔ اور یہ امر بھی توضیح طلب نہیں رہتا کہ قرآن حکیم کا بتایا ہوا اکمل و اکمل دین صرف عالمِ ارضی کے ساکنین کے لئے نہیں بلکہ دوسرے عوالم کے باشندے بھی اس سے یکساں طور پر مستفیض ہو رہے ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (بابی ہو امی) کی اُمّت صرف اسی عالمِ ارضی کے انسانوں ہی پر موقوف نہیں بلکہ دوسرے عوالم کی ذی شعور مخلوق بھی حضور سرورِ کونین کی شان رحمۃ للعٰلمین کے سرچشمہ فیضان سے فیض حاصل کر رہی ہے اور خدا کا آخری پیغام جو عرب کی سرزمین میں ایک بشر کے سینے پر نازل ہوا۔ اِسی کرۂ ارضی سے پرواز کر کے دوسرے کرّوں پر بھی پہنچ چکا ہے۔ جن میں اس کو قبول کرنے کی صلاحیتیں رکھنے والی مخلوق موجود ہے اور

اِن عوالم تک برابر پہنچتا رہے گا۔ جہاں آئندہ بھی ارتقا کا عمل حیوانی زندگی کو درجہ فہم و شعور تک پہنچانے پر منتج ہو گا ٭

قرآن پاک کی آیات پر غور و فکر کرنے کے بعد یہ سمجھ لینا بعید از قیاس نہیں کہ اگر آئندہ زمانہ میں کرۂ ارضی پر بسنے والے انسانوں نے مریخ یا کسی اور سیارہ پر آباد ہونے والی ذی شعور مخلوق کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ قائم کر لیا تو اس وقت کے انسانوں کو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن پاک کی تعلیم اور حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا طریق معرفت الٰہی اسی زمانہ سے وہاں پہنچ چکا ہے اور اِن ستاروں میں اکثر لوگ دینِ اسلام کے پیرو اور امت محمدیہ میں سے ہیں۔ انہی آبادیوں کو قرآن میں جن کی اصطلاح سے یاد کیا ہے کیونکہ کائنات کی یہ ذی شعور مخلوق جس کا جس کا حشر و نشر انسان کے ساتھ ہونے والا ہے۔ انسان کی نظروں سے پوشیدہ ہے ٭

آقائے مرتضٰی احمد خاں درّانی کی دیگر تصنیفات

الہامی افسانے

اس کتاب میں انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیوں کے حالات قرآنِ حکیم کی آیات سے لے کر ادب اُردو کے نہایت ہی دل آویز پیرائے میں افسانوں کے طرز پر لکھے گئے ہیں۔ اِن حالات کا مطالعہ صحیح اسلامی سیرت پیدا کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ کتاب کے دوسرے حصّے میں قوموں کے عروج و زوال کے وہ قصّے مذکور ہیں جو قرآن پاک سے لئے گئے ہیں۔ قرآن مجید کے معارف، انبیائے کرام کے حالات دل کش انداز بیان اور آقائے مرتضٰی احمد خان کا زورِ قلم۔ سبحان اللہ۔ اس کتاب کا مطالعہ ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہے۔ یہ کتاب اتنی مقبول ہو چکی ہے کہ بہت قلیل عرصہ میں اسکا پانچواں ایڈیشن چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ قیمت ۸؎ عہ

تقدیر و تدبیر

یہ کتاب ایسے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جن میں سے ہر افسانے کا پس منظر دورِ حاضر کی کسی نہ کسی سیاسی کیفیت کو آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ آقائے ہیکش کے یہ افسانے ادب اُردو کے افسانوں کی دنیا میں ایک ممتاز خصوصیت رکھتے ہیں اور ادبی رنگینی اور افسانوی دلچسپی کے ساتھ بہت سی معنوی خوبیاں لئے ہوئے ہیں جو نوجوانوں کو پیغامِ عمل دے رہی ہیں۔ افسانوں کی ذیل میں سیاسی تحریکات کے غیر محسوس تذکرے نے اس کتاب کی قدر و قیمت میں تاریخی حیثیت کا اضافہ کر دیا ہے۔ قیمت صرف ۱۰ ار

دُودِ دل

"دُودِ دل" آقائے مرتضیٰ احمد خاں ہیکش دُرّانی کے منظوم کلام کا مجموعہ ہے۔ "دُودِ دل" تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے

حصے "آہ سوزاں" میں ہیکش کی بلند پایہ غزلیات ہیں۔ دوسرے حصہ "نفسِ گرم" میں نظمیں ہیں جو مختلف تاثرات کے ماتحت مختلف عنوانوں پر لکھی گئی ہیں۔ تیسرے حصہ "نوائے پریشاں" میں متفرق غزلیں اور قطعات ہیں۔ ہیکش کے کلام میں عشق و محبت کی تڑپ۔ سوز و گداز کی چاشنی اور دردِ قومی کے تاثرات بہت نمایاں نظر آ رہے ہیں۔ قیمت صرف دو روپے

مرزائی نامہ

"مرزائی نامہ" آقائے مرتضیٰ احمد خاں کے اِن مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے قادیاں اور لاہوری احمدیوں (مرزائیوں) کے سوالات کے جواب میں لکھے۔ یہ مضامین "قادیانیت کے کاسۂ سر پہ اسلام کا البرز شکن گرز" کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔ اور آقائے موصوف کے باطل شکن استدلال کی دھاک سارے ملک میں بیٹھ گئی تھی اس کتاب میں قادیانی فرقہ کے لوگوں کی اِن تلبیسوں اور تاویلوں کا پول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ جن کے بل پر

وہ سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کر کے اپنی ٹولی میں شامل کرنے کے عادی ہیں ۔ قیمت ایک روپیہ

یہ سب کتابیں

تاج کمپنی لمیٹڈ ۔ قرآن منزل

ریلوے روڈ ۔ لاہور

سے

مل سکتی ہیں

37

اسلام کے معارف

(چند بصیرت افروز مضامین)

از

مرتضیٰ احمد خان

ناشران:-

تاج کمپنی لمیٹڈ قرآن منزل ریلوے روڈ لاہور

قیمت